ABC سے تصدیق شدہ اشاعت
ماہنامہ
نور الحبیب
بصیرپور
جلد نمبر 36
ربیع الآخر ۱۴۴۶ھ
اکتوبر 2024ء
شمارہ نمبر 10
یا غوثِ اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ
مدیرِ اعلیٰ: صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری

بخدمت جمیع برادرانِ اسلام--- السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا اپنا ادارہ، دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور شریف، اللہ تعالیٰ ﷻ کے فضل و کرم، رسول اللہ ﷺ کے لطف وعنایت اور حضرت سیدی فقیہ اعظم مولانا ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی قدس سرہ العزیز کی باطنی توجہات سے علوم دینیہ کے فروغ کے لیے مصروف عمل ہے--- اس وقت بحمداللہ تعالیٰ یہاں سیکڑوں زیر تعلیم طلبہ وطالبات، قدیم وجدید علوم سے مستفیض ہورہے ہیں، جن کی خوراک، رہائش، علاج، تعلیم، اساتذہ وعملہ کے مشاہرات اور دیگر ضروری لوازمات پر نہایت کفایت شعاری کے باوجود (تعمیراتی اخراجات کے علاوہ) لاکھوں روپے ماہانہ خرچ ہورہے ہیں---

صرف سٹاف کی تنخواہوں کے لیے چار لاکھ پچھتر ہزار روپے ماہانہ درکار ہوتے ہیں، جب کہ بجلی، گیس اور ایندھن پر تقریباً آٹھ لاکھ روپے ماہانہ صرف ہوتے ہیں--- ادارہ کے بجٹ کا بڑا حصہ طلبہ کی خوراک پر صرف ہوتا ہے، چناں چہ سبزی، گوشت، دال، گھی اور مصالحہ جات پر چھ لاکھ ساٹھ ہزار (660,000) روپے ماہانہ خرچ ہورہے ہیں--- طلبہ کی خوراک کے لیے تیرہ سو من گندم (مالیتی 33 لاکھ 80 ہزار روپے) اور ناشتہ کے لیے دوسو پچاس من چاول (مالیتی 20 لاکھ روپے) درکار ہوتے ہیں--- متفرق اخراجات سمیت اکتیس لاکھ پچیس ہزار (3,12,5000) روپے ماہانہ اور تین کروڑ پچھتر لاکھ (37,500,000) روپے سالانہ مصارف ہیں---

یہ بات بھی آپ کے علم میں ہوگی کہ طلبہ کی تعلیمی اور رہائشی ضروریات کے لیے تین منزلہ جدید عمارت کا سٹرکچر تیار ہوگیا ہے--- مشرقی جانب کی مکمل عمارت، ضروری تیاری اور فنشنگ کے لیے تقریباً دوکروڑ (20,000,000) روپے مزید درکار ہیں---

اندریں حالات اخراجات میں دارالعلوم کو آپ ایسے مخلص، جاں نثار اور اہلِ درد کی توجہ اور دینی جذبہ رکھنے والے مخیّر حضرات کے مالی تعاون کی بے حد ضرورت ہے---

حضرت سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز سے قدیمی تعلق وعقیدت اور علوم اسلامیہ سے محبت کے پیشِ نظر آپ کی اخلاقی و دینی ذمہ داری ہے کہ خصوصی دل چسپی سے اپنے مدرسہ کی بھرپور معاونت فرما کر رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہمانانِ گرامی طلبائے کرام کی کفالت میں حصہ لینے کی سعادت حاصل کریں--- آپ کے عطیات (عشر، زکوٰۃ، نقدی، چاول، گندم، مکئی ودیگر غلہ جات اور صدقہ وخیرات) یقیناً آپ کے لیے ذخیرۂ آخرت اور صدقۂ جاریہ ثابت ہوں گے، ان شاء المولیٰ تعالیٰ

والسلام

(صاحب زادہ) محمد محبّ اللہ نوری
مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور شریف (اوکاڑا)
موبائل نمبر: 0300-4321088

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین

ھو الحبیب الذی ترجی شفاعتہ
لکل ھول من الاھوال مقتحم

ماھنامہ نور الحبیب بصیر پور

زیرِ ظلِ عاطفت: فقیہ اعظم حضرت مولانا ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ
بانی دار العلوم حنفیہ فریدیہ و ماھنامہ نور الحبیب

Regd No. PS/CPL-25
ISSN 1993-4238

جلد: 36 شمارہ: 10
ربیع الآخر ۱۴۴۶ھ - اکتوبر 2024ء

نوٹ: جو مستقل قارئین ماہنامہ "نور الحبیب" بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ سالانہ چندہ کے ساتھ مبلغ=/120 روپے مزید بھیجیں، انھیں ہر ماہ رسالہ بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک پوسٹ کر دیا جائے گا---ان شاء المولیٰ تعالیٰ

E-Mail:
noorulhabibmonthly@gmail.com

تزئین: مولانا محمد یوسف نوری
منیجر: مولانا غلام عباس نوری
ایزی پیسہ اکاؤنٹ: 0346-1276516
سرورق:
کمپوزنگ: نوری کمپوزنگ سنٹر بصیر پور شریف

ناشر: انجمن حزب الرحمٰن بصیر پور، دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور پاکستان

خصوصی چندہ سالانہ: =/5000 روپے
عمومی چندہ سالانہ: =/1000 روپے
فی کاپی: =/90 روپے

ملنے کا پتہ: ماہنامہ نور الحبیب، بصیر پور ضلع اوکاڑا، پوسٹ کوڈ 56011

www.facebook.com/monthlynoorulhabib
www.facebook.com/hanfiafaridiah
www.facebook.com/mohibnoori

ناشر محمد محب اللہ نوری نے گنج شکر پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر دفتر نور الحبیب بصیر پور سے شائع کیا

اس شمارے میں

منظومات

● ادارہ کا مضمون نگار کی آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے ● ماہ نامہ نور الحبیب کا زرِ تعاون وقتِ مقررہ پر روانہ فرمائیں ● زرِ تعاون ختم ہونے پر دو ماہ بعد رسالہ بند کر دیا جائے گا ● سالانہ چندہ کی رقم بذریعہ منی آرڈر، ایزی پیسہ یا بنک ڈرافٹ بھیجیں ● خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافہ پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

دونوں عالم کا مشکل کشا ہے خدا

دونوں عالم کا مشکل کشا ہے خدا
ساری خلقت کا حاجت روا ہے خدا

غم کے ماروں کا بھی ہے سہارا وہی
بے سہاروں کا بھی آسرا ہے خدا

فلسفہ ہو کہ مذہب کہ سائنس، غرض
ہر قدم سب کا منزل نما ہے خدا

جو سرے سے ہی اُس کو نہیں مانتا
اُس کی نیت کو بھی جانتا ہے خدا

وہ کہاں ہے مگر وہ کہاں پر نہیں
لامکاں ہو کے بھی جا بجا ہے خدا

چہچہے بلبلوں کے، گلوں کی مہک
کار فرما ہے، جلوہ نما ہے خدا

میں کہ گندہ ہوں، مندہ ہوں، بندہ ہوں میں
وہ خدا ہے، خدا ہے، خدا ہے خدا

ساری مخلوق کو اُس کی ہے جستجو
اپنے محبوب ﷺ کو چاہتا ہے خدا

اُس کی ہستی ہے بس وحدہٗ لاشریک
فلسفی کش مکش میں کہ کیا ہے خدا

نَحْنُ اَقْرَب ہے فیضانؔ اس پر گواہ
سب کو اپنے ہی من میں ملا ہے خدا

پروفیسر فیض رسول فیضانؔ

❁❁❁❁❁

وجودِ رحمتِ عالم ہے حاصلِ کونین

خدا ہی جانتا ہے شانِ مصطفیٰ کیا ہے
حضور کو ہے خبر ، عظمتِ خدا کیا ہے

خبر نہیں دلِ مہجور کو ہوا کیا ہے
بجز نگاہِ کرم درد کی دوا کیا ہے

نبی کی آل کی الفت جنہیں نصیب نہیں
وہ بدنصیب نہیں جانتے ، وفا کیا ہے

غبارِ راہ کو رشکِ زمن بنا ڈالا
بتاؤں کیا درِ سرکار ﷺ سے ملا کیا ہے

وہ لامکان کی دیتے ہیں فرش پر خبریں
نگاہِ سرورِ کونین ﷺ سے چھپا کیا ہے

اگر حبیبِ خدا کا نہ پیار ہو دل میں
نماز کیا ہے ، عبادت ہے کیا ، دُعا کیا ہے

وجودِ رحمتِ عالم ﷺ ہے حاصلِ کونین
وگرنہ محفلِ کونین میں دھرا کیا ہے

یہ راز پوچھ کسی اہلِ درد سے فیضاؔن
کہ رونے دھونے میں لذت ہے کیا ، مزہ کیا ہے

پروفیسر فیض رسول فیضاؔن

حضرت سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ

اور اتباعِ شریعت

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

اللہ جل جلالہ خالق کائنات بھی ہے اور مالک شش جہات بھی --- وہ بندوں پر انتہائی مہربان بھی ہے اور حکیم بھی کہ اس کا ہر کام مبنی بر حکمت ہے --- اس نے تخلیق انسانیت کے ساتھ ہی بندوں کی رہ نمائی اور ہدایت کا بندوبست بھی کیا --- چنانچہ ہر دور میں انبیاء و رسل علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے، جو اعلان توحید و رسالت کے ساتھ ساتھ انسانوں کو ان کے مقصدِ تخلیق سے بھی آگاہ فرماتے رہے --- اللہ تعالیٰ نے فرقانِ حمید میں ارشاد فرمایا:

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِo --- [۱]

''اور میں نے جن و انس کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں'' ---

اقوام عالم کے مختلف خطوں میں نبی تشریف لاتے رہے، تا آنکہ نبی آخرالزماں

محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جلوہ گری ہوئی --- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابیض و اسود اور احمر و اصفر سب کے رسول ہیں --- اللہ تعالیٰ نے آپ کی رسالت عامہ وکافہ کا یوں اعلان فرمایا:

وَ مَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا --- [۲]

''اور اے محبوب! ہم نے آپ کو (قیامت تک کے) تمام انسانوں کے لیے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے'' ---

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اپنی رسالت عامہ وتامہ کے اعلان کا بایں کلمات حکم فرمایا:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعًا --- [۳]

''(اے رسول) آپ فرما دیجیے، اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں'' ---

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں، اب کسی اور نبی یا رسول کے آنے کی گنجائش باقی نہیں رہی --- ارشاد ربانی ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ --- [۴]

''محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، بلکہ وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں'' ---

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے أَنَا خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ [۵] فرما کر اپنی شان خاتمیت کی وضاحت فرما دی --- سلسلۂ نبوت و رسالت ختم ہو گیا، مگر سلسلۂ انسانیت باقی ہے، لہٰذا انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کا فریضہ سرانجام دینے کے لیے وارثان علوم نبوی اہل علم و فضل کو منتخب فرمایا گیا ---

اللہ تعالیٰ جل وعلا نے جن عظیم رجال دین سے احیاء وتجدید دین کا کام لیا اور انہوں نے ملت اسلامیہ کی عروق مردہ میں نئی روح پھونکی، ان میں انتہائی جلیل القدر اور ممتاز نام سیدنا غوث اعظم شیخ سید عبد القادر جیلانی حسنی حسینی رضی اللہ عنہ کا ہے --- آپ کی زندگی متلاشیانِ حق اور رہ نوردانِ علم و معرفت کے لیے خضر راہ اور منارِ نور کی حیثیت رکھتی ہے ---

طلب علم

نسبی شرافت و نجابت کے ساتھ ساتھ ابتداء ہی سے رشد و ہدایت کے آثار اور تقویٰ و ولایت کے انوار آپ کی جبین متین سے ظاہر تھے--- پیدا ہوتے ہی رمضان المبارک کے ایام میں دن کو والدہ کا دودھ نہ پینا[۶] ابتدائی تعلیم کے لیے مکتب جاتے ہوئے فرشتوں کا ''اِفْسَحُوْا لِوَلِیِّ اللّٰہ'' کہہ کر رستہ بناتے جانا[۷] کھیتی باڑی کے لیے ہل چلانے کا ارادہ کرنے پر بیلوں کا مَا لِھٰذَا خُلِقْتَ وَ لَا بِھٰذَا اُمِرْتَ (اللہ نے آپ کو ہل چلانے کے لیے نہیں بلکہ دلوں کی بنجر زمین کو آباد کرنے کے لیے پیدا فرمایا ہے) کہہ کر مخاطب کرنا[۸] حجابات کا اٹھا دیا جانا کہ گھر کی چھت پر کھڑے ہو کر عرفات کے میدان میں حاجیوں کے روح پرور اجتماع کا مشاہدہ فرمانا[۹] طلب علم کے لیے سفر بغداد کے دوران میں ڈاکوؤں کی ایک جماعت کا آپ کی راست بازی سے متاثر ہو کر تائب ہونا[۱۰] اور متعدد خوارق و کرامات کا ظہور آپ کے مصفیٰ حال اور روشن مستقبل کی واضح علامات تھیں--- بچپن ہی سے شریعت مطہرہ کے پابند تھے، چنانچہ حضور ﷺ کے ارشاد:

''تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَ عَلِّمُوْہُ النَّاسَ''---[۱۱]

''علم پڑھو اور پڑھاؤ''---

پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ابتدائی تعلیم گھر سے حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے بغداد کا رخ کیا اور وقت کے جید، نامور اور ماہر اساتذہ سے علوم و فنون کی تکمیل کی---

تدریس و افتاء

حصول علم کے بعد تدریس کی ذمہ داری سنبھالی--- صبح و شام دونوں وقت تفسیر، حدیث، فقہ، مذاہب اربعہ، اخلاقیات، اصول، نحو اور تجوید و قراءت کا درس آپ کا معمول تھا--- تیرہ اسباق روزانہ پڑھاتے--- جلد ہی آپ کی قابلیت، علمی تبحر اور فتویٰ نویسی کی دھاک بیٹھ گئی--- آپ نے علماء کی ایک جماعت تیار کی، ہزاروں افراد آپ سے مستفیض ہوئے، جن پر آپ کے کردار کا گہرا اثر پڑا کہ ان کی زندگیاں شریعت مطہرہ کے سانچے میں ڈھل گئیں---

آپ رضی اللہ عنہ کو شرعی امور پر مکمل عبور تھا، امام عشق و محبت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ رحمۃ اللہ اس حقیقت کو یوں بیان کرتے ہیں:

مفتیٔ شرع بھی ہے، قاضیٔ ملت بھی ہے
علمِ اسرار کا ماہر بھی ہے عبدالقادر [۱۲]

چاروں فقہی مذاہب میں فتویٰ دیتے [۱۳] تاہم مذہباً حنبلی اور زیادہ تر اسی فقہ کے مطابق افتاء نویسی کرتے --- اس کی وجہ بھی غالباً یہ تھی کہ خود امام احمد بن حنبل قدس سرہ کی منشاء یہی تھی --- چنانچہ علامہ محمد بن یحییٰ حنبلی، قلائد الجواہر میں شیخ علی بن ہیتی کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت امام احمد قدس سرہ کے مزار پر حاضری دی تو امام احمد نے مزار سے باہر نکل کر انھیں سینے سے لگایا اور فرمایا، اے شیخ عبدالقادر:

قَدِ افْتَقَرْتُ اِلَیْکَ فِیْ عِلْمِ الشَّرِیْعَۃِ وَعِلْمِ الْحَقِیْقَۃِ وَ عِلْمِ الْحَالِ --- [۱۴]

''علم شریعت، علم حقیقت اور علم حال میں میں آپ کا محتاج ہوں'' ---

اتباع شریعت، عبادت و ریاضت

درس و تدریس اور افتاء نویسی کی طرح اتباع شریعت کا جذبہ ابھارنے اور اس کا عملی درس دینے کا ایک بڑا مؤثر ذریعہ ان کا عمل اور کردار تھا کہ انھوں نے اپنی زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھال دی تھی --- وہ عبادات، معاملات اور اخلاق میں اپنے جد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ کا عملی نمونہ تھے --- آپ نے اتباع شریعت سے جو دراصل اتباعِ نبوی کا دوسرا نام ہے، سرِ مو انحراف نہ کیا ---

فرائض، واجبات تو کیا، سنن و نوافل اور مستحبات کی ہمیشہ پاسداری کی --- مجاہدات و ریاضات اور نفس کشی میں بڑی جفاکشی اور بلند ہمتی کا مظاہرہ فرمایا --- ابتدائی دور ہی میں مجاہدات کا یہ حال تھا کہ شیخ ابوالفتوح ہروی بیان کرتے ہیں:

''آپ پچیس سال تک عراق کے جنگلوں میں صحرا نوردی کرتے رہے، میں آپ کی خدمت میں چالیس سال تک حاضر رہا --- اس دوران آپ ہمیشہ

صبح کی نماز، عشاء کے وضو سے ادا فرماتے --- ہمہ وقت باوضو رہتے، ہمیشہ وضو کے بعد دو رکعت نفل ضرور ادا کرتے --- عشاء کی نماز کے بعد اپنی خلوت گاہ میں تشریف لے جاتے اور کسی کو بھی وہاں جانے کی اجازت نہ ہوتی --- تمام رات محو عبادت رہتے، طلوع فجر کے وقت باہر نکلتے --- ایک دفعہ خلیفۂ وقت رات کو زیارت کے لیے حاضر خدمت ہوا، مگر اسے بھی فجر سے پہلے باریابی نصیب نہ ہوسکی'' --- [۱۵]

مسلسل پندرہ سال تک یہ معمول رہا کہ عشاء کی نماز کے بعد تلاوت قرآن شروع کرتے اور سحری تک قرآن مجید ختم کر لیتے --- [۱۶]

فرائض کی اہمیت

آپ کے ملفوظات میں جا بجا فرائض کی پابندی کے بارے میں تاکیدی کلمات ملتے ہیں، آپ کا ارشاد ہے:

یَنْبَغِیْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ یَّشْتَغِلَ اَوَّلاً بِالْفَرَائِضِ فَاِذَا فَرَغَ مِنْھَا اشْتَغَلَ بِالسُّنَنِ ثُمَّ اشْتَغَلَ بِالنَّوَافِلِ وَ الْفَضَائِلِ فَمَا لَمْ یفرُغْ مِنَ الْفَرَائِضِ فَالْاِشْتِغَالُ بِالسُّنَنِ حُمْقٌ وَ رَعونَۃٌ فَاِن اشتغل بِالسننِ وَ النَّوافلِ قبلَ الْفَرَائِضِ لَمْ یُقْبَلْ مِنْہُ وَ اُھِیْنَ .... ---

''مومن کو چاہیے کہ سب سے پہلے فرائض ادا کرے، ان سے فراغت کے بعد سنتوں کی طرف توجہ دے، پھر نفلی عبادات میں مشغول ہو، پس جو شخص ابھی فرائض ہی سے فارغ نہیں ہوا، اس کے لیے سنتوں میں مشغول ہونا جہالت اور بے وقوفی ہے، اس لیے کہ ادائے فرائض کے بغیر سنن و نوافل قبول نہیں کیے جائیں گے اور جو شخص ایسا کرے گا، وہ ذلیل و رسوا ہوگا ---

واضح رہے کہ حرام چیزوں سے پرہیز، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک سے اجتناب، تقدیر پر اعتراض سے احتراز اور احکام الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اہم ترین فرائض میں سے ہیں --- حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

لَا طَاعَۃَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَۃِ الْخَالِقِ ---

''اللہ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے''---[۱۷]

ایک دوسرے مقام پر آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

تَرْکُ الْعِبَادَاتِ الْمَفْرُوْضَاتِ زَنْدَقَۃٌ وَ ارْتِکَابُ الْمَحْظُوْرَاتِ مَعْصِیَۃٌ ، لَا تَسْقُطُ الْفَرَائِضُ عَنْ اَحَدٍ فِیْ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ---[۱۸]

''فرض عبادات کو ترک کرنا سراسر بے دینی ہے اور معصیت کا ارتکاب گناہ ہے---کسی شخص سے (شرعی عذر کے بغیر) کسی بھی حال میں فرائض ساقط نہیں ہوتے''---

مواعظ حسنہ

حضرت پیر پیران رضی اللہ عنہ نے اپنے مواعظ کو اتباع شریعت کی تلقین اور شرعی احکام کی ترغیب کے لیے مختص کر دیا تھا---آپ کے وعظ سلوک و معرفت اور شریعت و طریقت کے انوار و تجلیات کا سرچشمہ ہوتے---زبان میں بلا کی تاثیر تھی، مجلس وعظ میں ستر ستر ہزار افراد کا مجمع ہوتا[۱۹] ہفتہ میں تین بار، جمعہ کی صبح اور منگل کی شام کو مدرسہ میں اور اتوار کی صبح درگاہ عالیہ میں وعظ فرماتے[۲۰] جس میں زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگ شرکت کرتے---بادشاہ، وزراء اور اعیان مملکت نیاز مندانہ حاضر ہوتے---علماء و فقہاء کا جم غفیر ہوتا، بیک وقت چار چار سو علماء، قلم، دوات لے کر آپ کے ارشادات عالیہ قلم بند کرتے[۲۱] آپ کے فرمودات ''از دل خیزد، بر دل ریزد'' کا مصداق تھے---حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز رقم طراز ہیں:

مجلس آں حضرت ہرگز از جماعت یہود و نصاریٰ و امثال ایشاں کہ بر دست او بیعت اسلام آوردندے و از طوائف عصاۃ از قطاع طریق و ارباب بدعت و فساد در مذہب و اعتقاد کہ تائب می شدند، خالی نبودے---[۲۲]

''حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کی کوئی محفل ایسی نہ ہوتی جس میں یہودی، عیسائی اور دیگر غیر مسلم آپ کے دست مبارک پر اسلام سے مشرف نہ ہوتے ہوں اور جرائم پیشہ، بدکردار، ڈاکو، بدعتی، بدمذہب اور فاسد عقیدہ رکھنے والے تائب نہ ہوتے ہوں''---

آپ کے مواعظ حسنہ توحید، قضا وقدر، توکل، عمل صالح، تقویٰ وطہارت، ورع، جہاد، توبہ، استغفار، اخلاص، خوف و رجا، شکر، تواضع، صدق و راستی، زہد و استغناء، صبر و رضا، مجاہدہ، قرآن وسنت کی پیروی، اتباع شریعت کی تعلیمات، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے آئینہ دار ہوتے---

اتباع نبوی

سید الاولیاء حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے نانا جان سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور پیروی میں اپنی تمام زندگی بسر کی---وہ جاہل صوفیوں اور نام نہاد پیروں کی طرح طریقت و شریعت کو جدا نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کی نظر میں راہ تصوف وطریقت کے لیے شریعت محمدیہ پر گامزن ہونا ضروری ہے، بغیر اس کے کوئی چارہ کار نہیں---آپ کا بیان ہے:

كُلُّ حَقِيْقَةٍ لَا تَشْهَدُ لَهَا الشَّرِيْعَةُ هِيَ زَنْدَقَةٌ، طِرْ اِلَى الْحَقِّ عَزَّ وَ جَلَّ بِجَنَاحَيِ الْكِتَابِ وَ السُّنَّةِ، اُدْخُلْ عَلَيْهِ وَ يَدُكَ فِيْ يَدِ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اِجْعَلْهُ وَزِيْرَكَ وَ مُعَلِّمَكَ ....---

''ہر وہ حقیقت جس کی شریعت تائید نہ کرے، باطل ہے---اللہ کی بارگاہ میں قرب اور انوار وتجلیات الٰہی کے حصول کے لیے کتاب وسنت کے دو پروں کے ساتھ محو پرواز رہ---بارگاہ خداوندی میں اس طرح داخل ہو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں تیرا ہاتھ ہو، آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنا رہنما اور معلم بنا لے---حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں زیب و زینت دے کر بارگاہ الٰہی میں پیش کریں گے---آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارواح کے حاکم، مریدوں کے مربی، مراد والوں کی مراد، اولیاء کے امیر اور ان میں احوال و مقامات کے تقسیم کنندہ ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ منصب آپ کے سپرد کر کے انہیں سب کا امیر بنا دیا ہے''---[۲۳]

کتاب و سنت سے رہنمائی کا تاکید

حضرت محبوب سبحانی نے کتاب وسنت کو رہنما بنانے اور اتباع نفس سے بچنے کی جابجا تاکید فرمائی ہے---فتوح الغیب شریف کے پہلے ہی مقالہ میں فرماتے ہیں:

’’ایک ایمان دار کے لیے تین چیزوں پر کاربند رہے بغیر چارہ نہیں:

① وہ احکام الٰہی کی تعمیل کرے (جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، صدق، راست بازی وغیرہ)

② اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی تمام چیزوں سے مکمل پرہیز کرے (یعنی جھوٹ، غیبت، چوری، زنا، شراب نوشی، قتل ناحق، فساد فی الارض وغیرہ محرمات سے اجتناب)

③ اللہ کی تقدیر پر راضی رہے---ایک مومن کی ادنیٰ کیفیت یہ ہے کہ وہ کسی بھی حال میں ان تین امور کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دے---[۲۴]

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

’’کتاب وسنت کو اپنا رہبر و رہنما بنا، ان میں غور وفکر اور تدبر کے بعد عمل کر، فضول یاوہ گوئی اور خواہشات نفسانی کے اتباع سے اجتناب کر، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

وَ مَا آتَاکُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوْہُ وَ مَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ---[۲۵]

’’اور جو کچھ یہ رسول عطا فرمائیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو‘‘---[۲۶]

آگے چل کے فرماتے ہیں:

انّہ قَدْ نَزّٰکّٰی ھُوَ عَزَّ و جَلَّ نَبِیَّہٗ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَ نَزَّھَہٗ عَنِ الْبَاطِلِ وَ الزُّوْرِ---

’’بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر قسم کی غلطیوں اور جھوٹے امور سے پاک بنایا ہے‘‘---

یعنی آپ کی ساری تعلیمات ان کی ذاتی خواہش سے نہیں بلکہ من جانب اللہ ہیں، لہٰذا ان کا اتباع کرو، جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے:

قُلْ إِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِی یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ---[۲۷]

’’آپ کہیے، اگر تم اللہ سے محبت کے دعوے دار ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا‘‘---

اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی کہ محبت الٰہی کا سارا راز حضور ﷺ کے اتباع میں ہے---

حضور ﷺ کی ذات گرامی کے سوا ہمارا کوئی دوسرا نبی نہیں جس کی ہم پیروی کریں اور نہ اللہ کی کتاب کے علاوہ دوسری کتاب ہے کہ جس پر عمل کریں، لہٰذا کتاب وسنت کی حدود سے باہر نہ نکلو ورنہ نفس اور شیطان تمھیں گمراہ کردیں گے--- پس قرآن وسنت کی کامل اتباع سلامتی کا ذریعہ اور اس سے روگردانی باعث ہلاکت ہے---قرآن وحدیث کے عمل ہی کے ذریعے بندہ ولایت، ابدالیت اور غوثیت ایسے بلند مقامات کی طرف پرواز کرتا ہے---[۲۸]

حضرت غوث صمدانی، قطب ربانی رضی اللہ عنہ پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی تھی کہ شریعت معیار ہے اور خلافِ شریعت ہر طریقہ شیطانی کھیل ہے---آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فَاِنِ انْخَرَمَ فِیْکَ شَیْءٌ مِّنَ الْحُدُوْدِ فَاعْلَمْ اَنَّکَ مَفْتُوْنٌ قَدْ لَعِبَ بِکَ الشَّیْطَانُ فَارْجِعْ اِلٰی حُکْمِ الشَّرْعِ وَ الْزَمْہُ وَ دَعْ عَنْکَ الْھَوٰی لِاَنَّ کُلَّ حَقِیْقَۃٍ لَا تَشْھَدُہُ الشَّرِیْعَۃُ فَھِیَ زَنْدَقَۃٌ---[۲۹]

''اگر حدودالٰہی (شرعی احکام) میں سے کوئی حد ٹوٹتی ہو تو جان لو کہ تم فتنہ میں مبتلا ہوگئے ہو اور شیطان تمہارے ساتھ کھیل رہا ہے، فی الفور شریعت کی جانب رجوع کرو، اسے مضبوطی سے تھام لو اور خواہشات نفس کو ترک کردو، اس لیے کہ خلاف شریعت ہر امر باطل ہے''---

حق و باطل میں امتیاز کا ملکہ

شریعت کی اسی پاس داری کا اثر تھا کہ آپ ہر مقام پر ثابت قدم رہے--- حضور ﷺ کی کامل اتباع، علم راسخ اور تائید غیبی نے آپ کو اس مقام پر پہنچا دیا تھا کہ حق و باطل، نور و ظلمت، الہام حقیقی اور کید شیطانی میں امتیاز کا ملکہ پیدا ہوگیا--- چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ایک بار میرے سامنے عظیم نور ظاہر ہوا، جس سے آسمان کے کنارے روشن ہوگئے، اس سے ایک صورت ظاہر ہوئی، اس نے کہا:

یَا عَبْدَ الْقَادِرِ اَنَا رَبُّکَ وَ قَدْ اَحْلَلْتُ لَکَ الْمُحَرَّمَاتِ---

''اے عبدالقادر! میں تیرا رب ہوں اور تمام محرمات تجھ پر حلال کرتا ہوں''---

میں نے کہا:

''مردود! دفع ہوجا''---

یہ کہنا تھا کہ وہ نور تاریکی سے بدل گیا اور صورت دھواں بن گئی---

ایک آواز آئی:

''عبدالقادر! تم اپنے علم کی وجہ سے بچ گئے، ورنہ اس طرح میں ستر (۷۰) نام ور صوفیوں کو گمراہ کرچکا ہوں''---

میں نے کہا:

''علم کی وجہ سے نہیں، یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے''---

لوگوں نے پوچھا، حضور! آپ کو کیسے پتا چلا کہ یہ شیطان ہے؟---فرمایا:

''اس کے یہ کہنے سے کہ میں نے حرام چیزوں کو تمہارے لیے حلال کردیا''---[۳۰]

وصول الی اللہ کا صرف ایک ذریعہ

حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک وصول الی اللہ کا صرف ایک ذریعہ ہے اور وہ ہے اتباع شریعت، یعنی کتاب وسنت کے مطابق عمل پیرا ہونا---

فرماتے ہیں:

اِتَّبِعِ الشَّاھِدَیْنِ الْعَادِلَیْنِ الْکِتَابَ وَ السُّنَّۃَ فَاِنَّھُمَا یُوْصِلَانِکَ اِلٰی رَبِّکَ عَزَّ وَ جَلَّ---[۳۱]

''دو عادل گواہوں یعنی کتاب وسنت کا اتباع کرو کیوں کہ یہ دونوں تمہیں اللہ تعالیٰ تک پہنچادیں گے''---

نیز فرمایا:

کُوْنُوْا فِیْ جَمِیْعِ اُمُوْرِکُمْ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَشْدُوْدِی

الْاَوْسَاطِ تَحْتَ اَمْرِہٖ وَ نَھْیِہٖ وَ اِتِّبَاعِہٖ---[۳۲]

''اپنے تمام کاموں میں حضور ﷺ کی بارگاہ سے وابستہ اور کمربستہ ہو جاؤ اور امرونہی کے تمام احکامات میں ان ہی کے تابع فرمان رہو''---

ایک اور مجلس میں آپ نے اس حقیقت کا یوں اظہار فرمایا:

مَنْ لَّمْ یَتَأَدَّبْ بِاٰدَابِ الشَّرْعِ اَدَّبَتْہُ النَّارُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ---[۳۳]

''جو شخص آدابِ شریعت کی پاس داری نہیں کرے گا، روزِ قیامت جہنم کی آگ اسے ادب سکھائے گی''---

اتباعِ شریعت کا یہی وہ جذبہ تھا جس کے مطابق آپ کی زندگی کا ہر ہر لمحہ بسر ہوا---خود فرماتے ہیں:

وَ کُلُّ وَلِیٍّ لَّـہٗ قَدَمٌ وَ اِنِّیْ
عَلٰی قَدَمِ النَّبِیِّ بَدْرِ الْکَمَالِ [۳۴]

''ہر ولی کسی نہ کسی نبی کا متبع ہوتا ہے اور میں (اپنے نانا جان) آسمان فضیلت کے بدر کامل نبی کریم ﷺ کے نقش قدم پر گام زن ہوں''---

تصوف و طریقت کا دستور العمل

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ نہ صرف یہ کہ خود شریعت مطہرہ کے بہت بڑے عالم و عامل اور مبلغ و رہبر کامل تھے بلکہ وہ راہ طریقت پر گامزن ہر فرد کے لیے ضروری تصور کرتے تھے کہ وہ شریعت مطہرہ کا پابند اور اوصاف حسنہ کا پیکر ہو---آپ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

''راہِ سلوک میں قدم رکھنے والے کے لیے لازمی ہے کہ وہ شرعی علوم کا عالم اور بقدر ضرورت دنیوی علوم سے باخبر ہو اور اصطلاحات صوفیہ سے واقفیت رکھتا ہو کہ اس کے بغیر چارہ کار نہیں''---[۳۵]

آج تصوف و طریقت کو لوگوں نے ایک رسم بنا رکھا ہے، جاہل اور بے عمل نام نہاد پیر شریعت کا مذاق اڑانے اور طریقت و تصوف کو بدنام کرنے میں کوشاں ہیں---اس سلسلے میں پیر پیراں سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی تعلیمات کتنی واضح اور ان کا معیار کتنا کڑا ہے،

آپ رضی اللہ عنہ اپنے فرزندان گرامی اور مریدین وخلفاء کو تصوف وطریقت کا دستورالعمل بتاتے ہوئے وصیت فرماتے ہیں اور کس جامعیت کے ساتھ شرعی تعلیمات کا خلاصہ اور نچوڑ بیان کرتے ہیں:

''میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ:

اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور طاعت اختیار کرو---

احکام شریعت کی پابندی لازم رکھو---

سینوں کو (حسد، کینہ، کھوٹ اور دھوکہ سے) صاف رکھو---

ہمت وجواں مردی سے کام لو---

کشادہ رُو رہو---

صدقہ وخیرات کرتے رہو---

ایذا رسانی سے بچو---

مخلوق کی تکلیف اور فقر وفاقہ کو برداشت کرو---

مشائخ کی عزت وحرمت کا لحاظ رکھو---

(جسمانی و روحانی) بھائیوں سے حسن معاشرت اور چھوٹوں کے ساتھ خیرخواہی ونصیحت کے جذبہ سے پیش آ ؤ---

رفیقوں سے جھگڑا نہ کرو---

ایثار کو لازم کرلو---

ذخیرہ اندوزی سے کنارہ کشی کرو---

سالکین کی صحبت اختیار کرو اور جائز دینی و دنیوی امور میں مسلمانوں کی معاونت کرتے رہو'' ---[۳۶]

مختصر یہ کہ ایک ایسے دور میں جب کہ ملت اسلامیہ پستی و زبوں حالی کا شکار تھی، طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا، اسلامی قدروں کو پامال کیا جارہا تھا اور جسدِ اسلام پر نزع کی کیفیت طاری تھی--- آپ نے اپنے صفائے باطن، وعظ وتبلیغ اور شبانہ روز محنت سے

امت مسلمہ کی عروقِ مردہ میں پھر سے زندگی کی لہر دوڑادی اور اسلام کو از سرنو زندہ کرکے ''محیی الدین'' [۳۷] کے لقب سے شہرتِ دوام پائی---

اللہ تعالیٰ ہمیں تعلیمات غوثیہ کو حرز جاں بناتے ہوئے اتباع شریعت کی توفیق عطا فرمائے اور غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کے صدقے اپنی بارگاہ کا قرب عطا فرمائے---

آمین بجاہ سید الانبیاء و المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ و سلم

حوالہ جات

۱......الذاریات:۵۶

۲......سبا:۲۸

۳......الاعراف:۱۵۸

۴......الاحزاب:۴۰

۵......امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، سنن ابی داؤد، مطبعة السعادة مصر، جلد۴، صفحہ۱۳۸، حدیث۴۲۵۲

۶......امام نورالدین علی بن یوسف الشطنوفی، بهجة الاسرار، مصطفیٰ البابی مصر، صفحہ۸۹/ ملا علی قاری، نزهة الخاطر الفاتر، موسسة الشرف لاہور، صفحہ۲۱-۲۲

۷...... بهجة الاسرار، صفحہ۲۱

۸...... بهجة الاسرار، صفحہ۸۷

۹......مرجع سابق

۱۰......مرجع سابق

۱۱......شعب الایمان للبیهقی، دارالکتب بیروت، جلد۲، صفحہ۲۷۵/ کنز العمال، دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن، جلد۵، صفحہ۲۰۸

۱۲......اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی، حدائق بخشش، رضا آفسٹ پریس بمبئی، صفحہ۳۷

۱۳......نزهة الخاطر، صفحہ۱۳

۱۴......علامہ محمد بن یحییٰ تادفی حنبلی، قلائد الجواهر، دار احیاء التراث الغربی بغداد، صفحہ۳۹

۱۵......امام عبدالوہاب شعرانی، طبقات کبریٰ، مصر، جلد۱، صفحہ۱۱۰

۱۶......شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، مجتبائی، دہلی، صفحہ۱۱-۱۲

۱۷......محبوب سبحانی حضرت سید عبدالقادر جیلانی، فتوح الغیب، مطبوع علٰی ھامش قلائد الجوھر، مقالہ۴۸، صفحہ۹۰

۱۸......سیدنا غوث اعظم عبدالقادر جیلانی، الفتح الربانی، دار الکتب العلمیة بیروت، مجلس۱۱، صفحہ۴۰

۱۹...... اخبار الاخیار، صفحہ۱۲

۲۰...... قلائد الجواھر، صفحہ۱۸

۲۱...... بھجة الاسرار، صفحہ۹۵

۲۲...... اخبار الاخیار، صفحہ۱۳

۲۳...... الفتح الربانی، مجلس۴۴، صفحہ۱۴۳

۲۴...... فتوح الغیب، صفحہ۴، مقالہ۱

۲۵...... الحشر: ۷

۲۶...... فتوح الغیب، صفحہ۲۷، مقالہ۳۶

۲۷......آل عمران: ۳۱

۲۸...... فتوح الغیب، صفحہ۳۷، مقالہ۳۶

۲۹......طبقات کبریٰ، جلد۱، صفحہ۱۱۳

۳۰......طبقات کبریٰ، جلد۱، صفحہ۱۰۹

۳۱...... الفتح الربانی، مجلس۴۸، صفحہ۱۵۲

۳۲...... الفتح الربانی، مجلس۱۱، صفحہ۴۰

۳۳...... الفتح الربانی، مجلس۱۲، صفحہ۴۵

۳۴......سیدنا غوث اعظم، قصیدہ غوثیہ، آرمی پریس لاہور، صفحہ۷

۳۵...... قلائد الجواھر، صفحہ۱۴

۳۶...... فتوح الغیب، مقالہ۵۷، صفحہ۱۲۴

۳۷...... محیی، باب افعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، اس کا صحیح تلفظ ''مُحْیِی الدِّیْن'' ہے، غلط العوام کے طور پر ''مُحْیُّ الدِّیْن'' مشہور ہے، جو درست نہیں---

مرکز تحقیق (فیصل آباد) کے زیر اہتمام انٹرنیشنل تصوف سیمینار

(یکم مارچ ۲۰۱۴ھ) میں پیش کیا گیا

انوار القرآن

یَا شَیْخ عَبْدُ الْقَادِرْ جِیْلَانِیْ شَیْئًا لِلّٰہِ کا تحقیقی جائزہ

سورۃ فاطر کا اجمالی جائزہ

علامہ تنویر حسین مجددی

اللہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے:

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ ط ھَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ یَرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ ط لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ---[الفاطر:۳]

’’اے لوگو! اپنے اوپر اپنے اللہ کے انعام کو یاد کرو، کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزی دے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم کہاں بہکے پھرتے ہو؟‘‘---

تشریح و توضیح

سورۃ الفاطر کی اس آیۂ کریمہ میں اللہ رب العزت نے تمام انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے اپنی نعمتیں یاد کرنے اور انہیں یاد رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔ فرمایا یا ایھا الناس ’’اے لوگو! اے مومنو! اے کافرو! میری نعمتیں یاد کرو۔ یہاں آیت کے شروع میں جو لفظ یا اور ایّھا الناس ہیں، وہ قابل غور ہیں۔

قرآن حکیم کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ اللہ نے بار بار لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے

کہیں فرمایا: اُذْکُرُوْا، کہیں فرمایا: اِذْ، کہیں فرمایا: اِذَا

یہ اِذْ اور اِذَا مخفف ہے اُذْکُر کا، جب اِذْ اور اِذَا فرمایا جائے تو اس میں اُذْکُر پوشیدہ ہوتا ہے، جس کا معنی بنتا ہے یاد کرو اور یاد اسے کرایا جاتا ہے جس کے سامنے کوئی بات یا کوئی واقعہ رونما ہوا ہو، جس کی نظر میں سب کچھ موجود ہو۔ چنانچہ اِذْ، اِذَا، اُذْکُر کہہ کر اس کی توجہ اس طرف مبذول کرائی جاتی ہے کہ یاد کرو وہ بات، یاد کرو وہ واقعہ۔

اس آیۂ کریمہ کا ایک اِک لفظ اپنے اندر بہت سی حکمتیں سموئے ہوئے ہے۔ پہلے فرمایا: یَا، پھر فرمایا: اَیُّھَا النَّاسُ، پھر فرمایا: اُذْکُرُوْا۔

یوں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے مخاطب ہو کر ان کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ خطاب کی لذت سے عبادت کی مشقت اور کلفت دور ہو جائے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حرف یـا چونکہ قریب والے کے لیے بولا جاتا ہے اور اگر یہ کسی دور والے کے لیے بولا جائے تو شرک ہوگا، جیسے یا محمد یا رسول اللہ کہا جاتا ہے۔ ایسا کہنا قطعاً شرک نہیں، کیونکہ شرک کی تعریف کچھ اور ہے۔

شرک کی تعریف

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

اَلْاِشْرَاکُ ھُوَ اِثْبَاتُ الشَّرِیْكِ فِی الْاُلُوْھِیَّۃِ بِمَعْنٰی وُجُوْبِ الْوُجُوْدِ کَمَا لِلْمَجُوْسِ اَوْ بِمَعْنٰی اِسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَۃِ کَمَا لِعَبَدَۃِ الْاَصْنَامِ ---

[شرح العقائد، ص ۵۶، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی]

''شرک یہ ہے کہ کسی کو الوہیت میں شریک مانا جائے، خواہ کسی کو اللہ کے سوا واجب الوجود مانا جائے جیسا کہ مجوسی مانتے ہیں یا کسی کو عبادت کا مستحق مانا جائے، جیسا کہ بت پرست مانتے ہیں''---

خلاصہ یہ ہے کہ شرک کا مدار صرف دو چیزوں پر ہے، وجوبِ وجود اور استحقاقِ عبادت۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو واجب الوجود یا مستحقِ عبادت مانے تو یہ شرک ہے، ورنہ نہیں۔

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

وَ الَّذِیۡنَ ھُمۡ بِہٖ مُشۡرِکُوۡنَ [النحل:۱۰۰] کی تفسیر میں ابوالعباس نے کہا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی عبادت کرتے تھے اور اس کے ساتھ شیطان کی عبادت بھی کرتے تھے، اسی وجہ سے یہ مشرک ہوگئے۔[تاج العروس، ج ۷،ص ۱۴۸، بیروت]

یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئا للّٰہ کا تحقیقی جائزہ

اگر کوئی شخص کسی کی کوئی صفت مستقل بالذات مانے تو یہ اس کو واجب الوجود ماننا ہے، لہٰذا جو شخص کسی نبی یا کسی ولی کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ ان کے سننے یا دیکھنے یا مدد کرنے کی صفت مستقل ہے، یعنی وہ اپنی ذاتی طاقت سے مدد کرتے یا سنتے یا دیکھتے ہیں یا ان کا علم ذاتی ہے یا ان کی قدرت ذاتی ہے، تو یہ شرک ہے۔ لیکن اگر یہ عقیدہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں اور ان کا علم اور قدرت ذاتی نہیں، اللہ کی عطا سے ہے تو یہ شرک نہیں ہے۔ اس پر بے شمار دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں۔

- یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئا للّٰہ پڑھنے کے متعلق، رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:

  ”جو شیخ قدس سرہ کو متصرف بالذات اور عالم غیب بالذات جان کر پڑھے گا وہ مشرک ہے اور اگر اس عقیدہ سے پڑھنا کہ شیخ کو حق تعالیٰ اطلاع کر دیتا ہے اور وہ باذنہٖ تعالیٰ حاجت بر آری کر دیتے ہیں تو یہ شرک نہ ہوگا“---

  [فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوّب، ص ۵۰، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی]

- یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اُنْظُرْ حَالَنَا کہنے کے متعلق رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:

  ”نداء غیر اللہ تعالیٰ کو کرنا دور سے شرکِ حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم، سامع، مستقل اعتقاد کے ساتھ کرے، ورنہ شرک نہیں۔ مثلاً یہ جانے کہ حق تعالیٰ ان کو مطلع فرما دیوے گا یا باذنہٖ تعالیٰ انکشاف ان کو ہو جاوے گا یا اللہ تعالیٰ ملائکہ کے ذریعے انہیں میری بات پہنچا دیویں گے، جیسا کہ درود کی نسبت وارد ہے یا محض شوقیہ کہتا ہو محبت میں یا عرضِ حال محلِ تحسّر و حرمان میں کہ ایسے مواقع میں اگرچہ کلمات خطابیہ بولتے ہیں لیکن ہرگز نہ مقصودِ اسماع ہوتا ہے نہ عقیدہ، پس انہی اقسام سے کلماتِ مناجات واشعار بزرگان کے ہوتے ہیں کہ فی حد ذاتہٖ نہ شرک ہیں نہ معصیت“---[فتاویٰ رشیدیہ، ص ۶۸، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی]

- کبھی یہ حرفِ نداء کسی کی علوِ مرتبت کی بنا پر بعید کے انداز میں بولا جاتا ہے، جیسے دعا کرنے والا کہتا ہے یا اللہ! حالانکہ اللہ انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، لہٰذا اللہ کے علومرتبت کی بنا پر یا اللہ کہا جاتا ہے اور کبھی کسی کی غفلت کی وجہ سے اس کو بعید قرار دیتے ہوئے حرفِ یا کا استعمال کرتے ہیں، جیسے اللہ رب العزت نے فرمایا: یا ایھا الناس، یا، ایا، ایھا سب ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

اگر منادیٰ پر الف لام ہو تو حرفِ ندا اور منادیٰ کے درمیان اَیُّھَا کا اضافہ کیا جاتا ہے اور یہ کلام میں تاکید پیدا کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔[تبیان القرآن، ج۱،ص۳۱۸]

حرفِ نداء یا کا استعمال

حروفِ نداء پانچ ہیں: یَا، ھَیَا، اَیَا، اَیْ، ہمزہ مفتوحہ

عربی گرامر کی رو سے یَا حرفِ نداء ہے، جو قریب وبعید دونوں کے لیے بولا جاتا ہے اور یہ عموماً کسی قریب شخص کو مخاطب کرنے کے لیے بولا جاتا ہے اور خطاب کے یہ حرف عموماً اس وقت استعمال کیے جاتے ہیں جب اگلا بندہ سن رہا ہو، جیسے السلام علیکم یا اھل المجلس، ''اے تمام حاضرین! تم پر میرا سلام ہو''۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

کچھ لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ جو قریب ہو صرف اس کو یا کے ساتھ مخاطب کیا جا سکتا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص اللہ کے سوا کسی دور والے کو حرفِ یا سے پکارے گا تو یہ شرک ہو جائے گا، کیونکہ دور سے حرفِ یا کے ساتھ پکارنا صرف اللہ کے ساتھ خاص ہے۔

لیکن یہ بات عقلی، نقلی اور گرامر کی رو سے قطعاً غلط ہے، کیونکہ کسی اور کا تصور کر کے یا کسی دور والے کو روحانی طور پر قریب جانتے ہوئے اسے حرفِ یا سے نداء دینا، تو قطعاً شرک نہیں، بلکہ جائز ہے اور اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں:

- اگر حرفِ یا کے ساتھ دور و نزدیک یا حاضر و غائب سے کسی کو پکارنا یا مخاطب کرنا شرک ہوتا تو خدا یہ حرف کبھی استعمال نہ کرتا۔ قرآن حکیم میں اللہ نے یا ایھا النبی، یا ایّھا الرسول، یا ایّھا المزمل، یا ایّھا المدثر، یا فرعون، یا ھامان وغیرہا کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔

ایسے ہی صحابہ کرام نے بھی حاضر و غائب کے لیے یہ لفظ استعمال کیا ہے، جیسے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دورانِ خطبہ یا ساریۃ الجبل فرمانا۔

- کبھی یہ حرفِ نداء، دور والے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، جب کہ اُس کے قرب کا تصور کر کے اسے بلایا جارہا ہو، جیسے یا اللہ یا رسول اللہ
- کبھی یہ حرفِ ندا فوت شدگان کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، جو نظر بھی نہیں آرہے، جیسا کہ اللہ رب العزت نے قرآن میں یا فرعون، یا ھامان وغیرہا فرمایا ہے۔
- کبھی یہ حرف اہلِ قبور کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے حکم ہے کہ جب تم قبرستان جاؤ تو یوں کہو: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ یَغْفِرِ اللّٰہُ لَنَا وَ لَکُمْ .... الخ

لہٰذا اللہ رب العزت نے یا ایھا الناس کہہ کر تمام نوعِ انسانیت کو مخاطب فرمایا ہے، چاہے ابھی وہ زندہ ہیں یا فوت شدگان یا آئندہ قیامت تک آنے والے ہیں۔

ان سب تحقیقات کی روشنی میں اگر یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئا للّٰہ کہہ کر پکارنے کا جائزہ لیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ اگر کوئی جناب غوثِ پاک رضی اللہ عنہ یا کسی اور کو مستقل بالذات سمجھ کر پکارے گا تو یقیناً یہ شرک ہوگا، لیکن اگر کوئی انہیں اللہ کا مقرب بندہ سمجھ کر، اللہ کا کامل ولی سمجھ کر، اللہ کی عطا سے مدد کرنے والا سمجھ کر اور باذن اللہ دور و نزدیک سے سننے، جاننے اور ضرورت مند کی مدد کرنے والا جانے گا، آپ کو پکارے گا، بہ عطائے الٰہی آپ کی مدد کی امید رکھے گا، تو یہ سب کچھ جائز ہے، قطعاً شرک نہیں، کیونکہ یہ سب کچھ وہ اللہ کی عطا سے کرتے ہیں اور جب وہ کسی ضرورت مند کی مدد کریں گے تو ان کی مدد، درحقیقت اللہ کی طرف سے مدد ہوگی، جو سراسر توحید ہے نہ کہ شرک، بس ذاتی اور عطائی کا فرق ملحوظِ خاطر رہے تو سارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔ بقولِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ:

رب ہے معطی یہ ہیں قاسم — رزق اس کا ہے، کھلاتے یہ ہیں
اس کی بخشش ان کا صدقہ — دیتا وہ ہے، دلاتے یہ ہیں
اس کے نائب، اس کے صاحب — حق سے خلق ملاتے یہ ہیں
شافع، نافع، رافع، دافع — کیا کیا رحمت لاتے یہ ہیں
دافع یعنی حافظ و حامی — دفعِ بلا فرماتے یہ ہیں

قادرِ کل کے نائب اکبر کُن کا رنگ دکھاتے یہ ہیں
اُن کے ہاتھ میں ہر کنجی ہے مالکِ کل کہلاتے یہ ہیں

خالق کون؟ مالک کون؟

اس کائنات ارضی وسماوی اور اس میں موجود بے شمار انسانوں، حیوانوں، فرشتوں، جنات، نباتات، حشرات، سورج، چاند، ستاروں، الغرض ساری کائناتِ پست و بالا اور کائناتِ فرش واعلیٰ کا خالق و مالک اللہ ہے اور اس حقیقت کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا، جیسا کہ قرآن مجید میں خود اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ---[الزخرف:۸۷]

''اگر تم ان کفار سے پوچھو کہ تمہارا خالق کون ہے؟ تو وہ فوراً کہیں گے کہ ہمارا خالق اللہ ہے''---

اگر کائناتِ عالم کی تخلیق کے متعلق سوال کرو:

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ٥---[العنکبوت:۶۱]

اگر تم ان سے یہ سوال کرو کہ اس زمین وآسمان اور شمس وقمر کو کس نے بنایا؟ تو پھر بھی ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ ہی ہر شے کا خالق و مالک ہے۔ جب ہر شئے کا خالق بھی اللہ ہے، مالک بھی اللہ ہے، تو کون ہے جو اللہ کی ذات کا شریک ہو سکے۔ کیونکہ کائنات کی ہر قوت، ہر طاقت، چاہے اس کا تعلق ذہن سے ہو یا بدن سے، روح سے ہو یا جسم سے، ہر قوت کا مالکِ حقیقی اللہ ہے۔ اس کی ہر قوت ذاتی ہے اور باقی ساری کائنات کی قوت ذاتی نہیں، اللہ کی عطا ہے۔ یہ عقیدہ رکھنا ہی اصل توحید ہے اور یہ شرک توڑ نسخہ ہے۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب

اللہ نے یہ کائناتِ ارضی وسماوی بنا کے سب کچھ اپنے محبوب ﷺ کے حوالے کر دیا اور سب کا انہیں مالک بنا دیا، سب پر انہیں قبضہ واختیار عطا کر دیا، یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب چاہیں سورج کو الٹا پھرا دیں، چاند کو دو ٹکڑے کر دیں، درختوں کو چلا دیں، پتھروں سے کلمہ پڑھا دیں، سڑی ہوئی کھجوریں اگا دیں، ام معبد کی کمزور بکری کے تھنوں سے

دودھ نکال دیں وغیرہا۔ یہ سب آپ کے قبضہ واختیار کی مثالیں ہیں، جو اللہ نے آپ کو عطا کی ہیں۔ یہ سب نبوت کے معجزات ہیں اور اللہ کی قدرت کا اظہار ہے۔

یہ اظہارِ قدرت اگر نبوت کے ہاتھ سے ہو تو اس کا نام معجزہ ہے اور اگر یہی قدرت کسی ولی کے ہاتھ سے ظاہر ہو تو اس کا نام کرامت ہے اور جناب غوث پاک رضی اللہ عنہ سے اتنی کرامات کا ظہور ہوا ہے جن کا شمار ممکن نہیں۔ یہ ان کے ذاتی کمالات نہیں، بلکہ یہ سب کا سب اللہ کی عطا ہے اور اللہ کی قدرت کا اظہار ہے اور اللہ کے ولی کی عزت و تکریم ہے اور جو محبوبانِ خدا کو اپنی مثل بشر سمجھ کے کہتا رہے کہ جس طرح میں بے اختیار ہوں، ایسے ہی نبی، ولی بھی بے اختیار ہوتے ہیں، تو یہ اس کی غلط فہمی، جہالت اور نادانی ہے، جس کا کسی ولی کامل سے علاج کرانا ضروری ہے تاکہ اسے ایمان پر خاتمہ نصیب ہو سکے۔ و باللہ التوفیق

وفیات

گزشتہ دنوں:

● قاری محمد صدیق نوری (56/D) کے ماموں حاجی محمد یوسف (بونگہ حیات) ● فاضل دارالعلوم حنفیہ فریدیہ مولانا محمد حنیف نوری (منڈی مرید کے) ● فاضل دارالعلوم حنفیہ فریدیہ مولانا محمد یار نوری (پیر محل، ٹوبہ ٹیک سنگھ) ● مولانا مقصود احمد (چک انتالی شریف، پاک پتن شریف) کی والدہ محترمہ ● قاری بشیر احمد شاکر نوری (جامعہ حنفیہ تعلیم القرآن، عارف والا) کی بھاوج، حاجی اللہ دتہ (پل باہمنی، پاک پتن شریف) کی اہلیہ محترمہ ● قاری محمد سلیم اللہ نوری (حجرہ شاہ مقیم) کے قریبی عزیز اور ● شوکت علی زاہد نوری (ایریا مینجر اسٹیٹ لائف، حجرہ شاہ مقیم) کے بڑے بھائی مسافرانِ آخرت میں شامل ہو گئے--- اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ و سلم علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین

مفتی طارق مسعود کے مغالطے کا جواب

مولانا ڈاکٹر محمد نعیم الدین الازہری

قرآنی رسم الخط کو غلط قرار دینا ایک سنگین مغالطہ اور بہت بڑا فتنہ ہے۔ آج کچھ دوستوں نے معروف یوٹیوبر عالم مفتی طارق مسعود کا ایک بیان ارسال کیا، جس میں موصوف حضور سید عالم ﷺ کے اُمِّی نبی ہونے کی عجیب وغریب توجیہات اور تشریحات بیان کر رہے ہیں۔

مفتی طارق مسعود صاحب اچھے پڑھے لکھے عالم ہیں، ان سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ ایسے فکری مغالطوں میں خود بھی مبتلا ہوں گے اور دوسروں کا ذہن بھی خراب کرنے کی کوشش کریں گے۔ مفتی صاحب اپنے بیان میں کہہ رہے ہیں کہ:

> نبی اکرم ﷺ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے، اس لیے صحابہ کرام قرآن لکھتے ہوئے اعراب و کتابت کی غلطیاں بھی کرتے تو نعوذ باللہ حضور ﷺ کو پتا نہ چلتا اور وہ غلطیاں ایسے ہی آج تک چلی آ رہی ہیں--- (ثم نعوذ باللہ)

نقلِ کفر، کفر نہ باشد

یہ بات وہی کر سکتا ہے جو رسمِ مصحف اور قرآنی رسم الخط کے اصولوں سے ناواقف ہو۔

پہلی بات یہ یاد رکھیں ہم اپنی عربی زبان کو درست کرنے میں قرآن کے محتاج ہیں، قرآن کی زبان ہماری گرامر اور قواعد کی ہرگز محتاج نہیں۔ قرآن کلام خداوندی اور اصل ہے، ہماری زبان اور عربی گرامر قرآن کے تابع ہے۔ قرآن کے بہت سارے کلمات ایسے ہیں جو عام عربی خط و کتابت سے الگ طریقے میں لکھے جاتے ہیں اور ان کا ایسے لکھنا ''توقیفی'' ہے۔

توقیفی سے مراد یہ ہے کہ ان کو ایسے لکھنا حضور ﷺ کے حکم سے تھا اور ہمیں اب اس کو بدلنے کی بالکل اجازت نہیں۔ اس کتابت کو رسم المصحف اور قرآنی رسم الخط کہا جاتا ہے۔

علماء محققین و ماہرین نے قرآنِ کریم کی قراءتِ صحیحہ و غیر صحیحہ کے درمیان فرق اور امتیاز کے لیے جو بنیادی اصول وارکانِ ثلاثہ مقرر کر دیے ہیں، ان میں سے ایک بنیادی رکن مصاحفِ عثمانی میں سے کسی ایک مصحف کے رسم کے ساتھ موافقت بھی ہے۔ ''عام خط'' اور ''قرآنی رسم الخط'' کے فرق کو ذہن نشین کرنے کے لیے ذیل میں دی گئی مثالوں پر غور کریں تو آسانی ہوگی:

❶: العٰلمینَ ❷: الرحمٰن ❸: الصّٰلحٰت ❹: ھٰؤلاۤء

مذکورہ کلمات کا موجودہ خط رسم عثمانی کے موافق ہے، کیونکہ ان میں الف لکھنے میں نہیں صرف بولنے میں ہے۔ لیکن اگر ان ہی کلمات کو درج ذیل طریقہ پر لکھیں:

❶: العالمین ❷: الرحمان ❸: الصالحات ❹: ھا اُلاۤء

اب ان میں خط تلفظ کے موافق ہے، مگر رسم عثمانی کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ ان میں الف مرسوم (لکھا ہوا) ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد اب یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن مجید کا یہ رسم الخط توقیفی و سماعی ہے، یعنی پیغمبر ﷺ سے مسموع اور آپ ہی کے اَمر و املاء سے ثابت و منقول ہے اور لوحِ محفوظ کی کتابت اور رسم الخط کے مطابق ''منزل من اللہ'' ہے، جس میں رائے اور قیاس کا ذرا بھی دخل نہیں ہے۔ محققین علماء کا یہی فیصلہ ہے، چنانچہ علامہ برہان الدین ابو اسحٰق ابراہیم بن عمر الجعبری (۷۳۲ھ) لکھتے ہیں:

رسم المصحف توقیفاً ھو مذھب الاربعۃ---[شرح العقیلۃ]

مفتی طارق مسعود کو ہوش کے ناخن لینے چاہییں، وہ ایسی نامعقول بات کر کے نادانستہ مستشرقین کی زبان بول رہے ہیں۔ یہ بات تو انگریز مستشرق کرتے ہیں کہ قرآن پاک میں گرامر یا کتابت کی غلطیاں ہیں۔

انہیں یہ دیکھنا چاہیے کہ عربی زبان میں گرامر کی جو قدیم ترین کتابیں لکھی گئیں، وہ نزولِ قرآن کے دو سو برس بعد لکھی گئیں اور غیر عربوں نے لکھیں۔ اگر قرآنِ مجید میں گرامیٹیکل مسٹیک ہوتی تو کفارِ مکہ اور مشرکین اور پوری عرب دنیا خاموش نہ رہتی اور اس غلطی کا بتنگڑ بنا دیتی۔ وہ عرب فصحاء جو قرآن کے چیلنج کے جواب میں خاموش تھے، وہ اس غلطی کی نشان دہی کرتے، لیکن کبھی بھی کسی بڑے سے بڑے ادیب اور عرب کے بڑے سے بڑے شاعر نے قرآنِ مجید کے کسی اسلوب یا انداز کو عربی زبان اور گرامر سے متعارض نہیں کہا۔ لہٰذا عربی زبان وہ ہے جو قرآنِ پاک میں بیان ہوئی ہے۔ عربی زبان وہ ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ مبارک سے نکلی، جس کو دشمنوں نے، اپنوں، پرایوں دونوں نے عربی زبان کا اعلیٰ ترین معیار قرار دیا۔ جنہوں نے قرآنِ مجید کے ادبی اعجاز کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا۔

اس اصول کی رو سے قرآنِ مجید اور حدیثِ رسول کی زبان ہی اصل، معیاری اور ٹکسالی عربی زبان ہو گی اور اگر گرائمر کی کسی کتاب میں اس کے خلاف لکھا گیا ہے تو غلط لکھا گیا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اُمّی ہونے کا یہ سطحی معنی مراد لینا بہت زیادہ افسوس ناک اور لائق مذمت ہے۔ عوام میں بیٹھ کر بڑی بے پرواہی سے یہ کہہ دینا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے، یہ بہت بڑی نادانی اور بے توفیقی کی علامت ہے۔ وہ لوگ جو منبر رسول پر بیٹھ کر لطیفے سناتے ہیں اور شادیوں کے موضوع کے علاوہ جنہیں کوئی اور موضوع نہیں ملتا، ان سے ایسی ہی فحش غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اُمّی ہونا یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حق میں کمی نہیں بلکہ یہ حضور کی شان اور عظمت ہے۔ آپ کے اُمّی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے دنیا کے کسی استاذ کے پاس نہیں پڑھا، کسی دنیا دار کا آپ پر احسان نہیں، بلکہ آپ کا استاذ خود ربِّ رحمٰن ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَہُ الْبَیَانَ ۝---[الرحمٰن، ۵۵: ۱ تا ۴]

حضور ﷺ تلمیذ الرحمٰن ہیں اور ہمارے سارے علوم و معارف آپ کے قدموں کی برکت سے ہیں۔ اگر کوئی امتی یہ کہے کہ حضور ﷺ کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا تھا اور آپ کو غلطی کا پتا ہی نہ چلتا تھا، یہ بہت بڑی محرومی اور کج فکری اور جسارت ہے۔

حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا:

امّـــــی و دقیقہ دانِ عالم
بے سایہ و سائبانِ عالم

مولانا ظفر علی خان رحمۃ اللہ علیہ نے برحق فرمایا:

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا، جو نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اِک کملی والے نے، بتلا دیا چند اشاروں میں

مفتی طارق مسعود کو چاہیے اپنی اس فحش غلطی کی کوئی وضاحت نہ دیں بلکہ فی الفور اس سے رجوع کرتے ہوئے توبہ واستغفار کریں اور سوچیں کہ یہ جملے کس گناہ کا وبال ہیں۔

اللہ کریم سب کو صراطِ مستقیم پر گامزن رکھے اور آدابِ بارگاہ رسالت بجالانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

❖❖❖❖❖

علامہ محمد طاہر عزیز باروی، ناروے

وہ معلّم، وہ اُمّـــی لقب آگیا
رونقِ دو جہاں کا سبب آگیا

جس معلم کائنات کے چند الفاظ یاد کر کے ایک عام انسان ''علامہ'' بن جائے، اس کو ''ان پڑھ'' کہنا پرلے درجے کی نہیں، سب سے بڑی جہالت ہے۔

جو رسول اعظم اپنی زبان سے اپنا تعارف کروائے کہ میں ''معلم'' بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اور کتابِ مبین میں کہا جائے کہ وہ ربّ قدیر سے براہِ راست قرآن پڑھ کر آئے ہیں، اس رسولِ مکرم ﷺ کو اَن پڑھ کہنا کیا ربّ قدیر کے شاگردِ اعظم کو اَن پڑھ کہنا قرار نہیں پائے گا؟ کمال تھا ہمارے اکابرین کا کہ وہ فرماتے ''امّی'' کا مطلب ہے کہ جو کسی انسان کا شاگرد یا تلمیذ نہ ہو۔

کس قدر عمدہ بات کی جگر گوشہ غزالئ زماں علامہ سید حامد سعید کاظمی شاہ صاحب حفظہ اللہ نے کہ ہم پر اعتراض ہمارے جاہلوں کی وجہ سے ہے لیکن فریقِ ثانی پر اعتراض ان کے عالموں کی وجہ سے ہے۔ جاہلوں کی تو اصلاح کی جائے گی عالموں کا کیا کیا جائے؟ وہ کہتے ہیں نا کہ سوئے کو تو کوئی جگائے، لیکن جاگتے کو کون جگائے؟

جامعۃ الرشید کو آفاقی اور عالمی ادارہ کہا جاتا ہے اور مولانا طارق مسعود وہاں کے سینئر استاذ ہیں، گویا یہ استاذ کی استعداد اور علمی پختگی ہے کہ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ رسولِ اکرم ﷺ قرآن خود اپنی نگرانی میں لکھوایا کرتے اور صحابہ کو ہدایت کرتے، ایسے لکھو۔

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی با کو لمبا لکھو، سین کے دندانے واضح کرو، میم کو گول کرو، اللہ کو اچھے طریقے سے سنوار کر لکھو، رحمٰن اور رحیم کو اچھا کر کے لکھو۔ اسی کی تائید میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے کاتب کو ہدایت کیا کرتے تھے کہ با کو لمبا، سین کے داندنوں کو واضح اور میم کو گول کر کے لکھو۔ وہ ہادئ عالم اگر نہیں جانتے تھے تو یہ قرآن کے رسم الخط کی ہدایات کیسے؟ واہ کیا عمدہ شعر ہے، صاحبِ قصیدہ بردہ کا:

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْیَا وَ ضَرَّتَھَا
وَ مِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَ الْقَلَمِ

❁❁❁❁❁

قائدانہ اوصاف ...... اسوۂ حسنہ کی روشنی میں⑨

تربیتِ افراد

پروفیسر خلیل احمد نوری

کسی تحریک یا جماعت کے قائد کے لیے ضروری ہے کہ وہ کثیر الجہات خوبیوں کا حامل ہو اور اعلیٰ اوصاف کے اعتبار سے اپنے عہد کے انسانوں میں اپنی مثال آپ ہو۔ خصوصاً پیرؤوں یا کارکنوں کی تعلیم و تربیت کی اہمیت سمجھتا ہو اور اس سے غافل نہ ہو۔ فنِ تربیت میں اسے پوری مہارت حاصل ہو۔ جماعت کے کارکنوں کی تربیت اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر، تحریک کے نظریے، مقصد، اس کی منزل اور حصولِ مقصد کے طریق کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ غیر تربیت یافتہ کارکنوں کی مدد سے کوئی تحریک، اپنی منزل حاصل نہیں کر سکتی۔ غیر تربیت یافتہ کارکن عام طور پر، تحریک کے لیے مفید ثابت نہیں ہوتے یا ان کی حیثیت محض بھرتی کی ہوتی ہے۔ بسا اوقات ایسے کارکن، تحریک کے لیے سخت نقصان کا باعث ہوتے ہیں۔ حضور سید الانبیاء والمرسلین ﷺ، خاص عطائے ربانی سے، قائدانہ اوصاف میں درجۂ کمال پر فائز تھے اور اگلے پچھلے قائدین پر سبقت رکھتے تھے۔ وصفِ تعلیم و تربیت بھی، آپ ﷺ کے معجزانہ اوصاف میں سے تھا اور اس میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔

حضور نبی کریم ﷺ کی جس عہد میں جلوہ گری ہوئی، اس وقت پورا عالم انسانی گمراہی کی

دَلدل میں دھنسا ہوا تھا۔ اس وقت کی دنیا کے اہم خطوں ؛ مثلاً: عرب، مصر، شام، بابل، یونان، چین اور روم وایران وغیرہ میں تہذیب نام کی کوئی چیز نہیں تھی ۔ یورپ کے جاگیر دار، پوپ اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے بادشاہ، منظّم نیٹ ورک قائم کر کے، عوام الناس سے ٹیکس وصول کرتے اور عیش پرستی میں مست تھے۔ وہاں، علم اور صنعت وتجارت کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ ایران میں آتش پرستی اور دوخداؤں کے تصور نے عقائدواعمال کی صورت بگاڑ رکھی تھی۔ ہندوستان میں خداؤں کی تعداد، وہاں کی آبادی سے بھی بڑھ گئی تھی۔ چھوت چھات کے عقیدے نے چھوٹی ذاتوں کے لیے جینا محال کر رکھا تھا۔شوہر کی موت کے بعدان کی بیواؤں کو ''ستی'' کی رسم میں، شوہر کی چتا پر زندہ جلادیا جاتا تھا۔

یہ ان تہذیبوں کا حال تھا جہاں کسی نہ کسی صورت میں ریاستی نظم قائم تھا، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عرب، جہاں ابھی کسی قسم کا ریاستی نظم موجود نہیں تھا، برائی کے سرچشمے کس قدر کثرت سے ہوں گے اور شر وفساد کے عناصر کتنے طاقت ور ہوں گے؟ یہاں انسانیت، قبائلی خانوں میں تقسیم تھی۔ آئے دن کی جنگوں اور قتل و غارت نے سکون و اطمینان، غارت کر رکھا تھا۔عرب کے جاہلی دَور کا لٹریچر پڑھنے سے ان کے جنگی جنون کا اندازہ ہوتا ہے۔ عرب شاعروں اور خطیبوں کے کلام کا زیادہ حصہ، جنگی گھوڑوں، زہر میں بجھی ہوئی تلواروں، تیروں اور نیزوں کی تعریف، اپنے قبیلے کی بہادری کے قصوں اور دشمنوں کو بزدلی کے طعنوں پر مشتمل ہے۔ یا پھر وہ، شراب کی قصیدہ خوانی کرتے ہیں اور عورتوں کے متعلق فحش اور عریاں گفتگو کو شاعری کا موضوع بناتے ہیں۔ بعض قبائل نے تو قتل و غارت گری، چوری اور ڈاکے کو مستقل پیشہ بنا رکھا تھا۔ انسانی آبادی دو گروہوں ...... آزاد...... اور...... غلام ...... میں منقسم تھی۔ غلاموں کی حیثیت جانوروں کی سی تھی۔ بدکاری، کوئی معیوب شے نہیں تھی۔ جنسی ہوس کے پجاریوں کو دعوتِ گناہ دینے کی غرض سے، طوائفوں نے اپنے گھروں پر جھنڈے گاڑ رکھے تھے۔ شراب تو عربوں کی گھٹی میں پڑی تھی اور کوئی مجلس ایسی نہ تھی جس میں شراب کے جام نہ لنڈھائے جاتے ہوں۔ یہودی ساہوکاروں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مال داروں نے نچلے طبقے کو ظالمانہ سودی شکنجے میں جکڑ رکھا تھا۔ پورا معاشرہ وہم زدہ اور طرح طرح کے خرافات کا شکار تھا۔ شرک تو اہلِ عرب کا طرۂ امتیاز تھا، بیت اللہ شریف میں تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ ہر غرض اور مقصد کے لیے الگ الگ بت تھے۔ مشرکینِ عرب، فرشتوں کو اللہ کی

بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ شرک کے علاوہ عیسائیت، یہودیت اور مجوسیت نے بھی اپنے پنجے جمار کھے تھے۔ سب سے بڑا ظلم یہ کہ بعض اہلِ عرب، اپنی بیٹیوں کو غربت کے ڈر سے اور کبھی شرمندگی سے بچنے کے لیے زندہ دفن کر دیتے تھے۔

ان حالات میں حضور خاتم النبیین ﷺ کی بعثت ہوئی۔ گمراہیوں میں ڈوبی ہوئی انسانیت کی اصلاح و ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسولِ کریم ﷺ کو نبوی ذمہ داریوں کا جو ہدایت نامہ دیا گیا، اس کے چار نکات تھے۔ آپ ﷺ کے ان فرائضِ نبوت میں سے دوسرا اہم فرض: تزکیہ نفوس یا سادہ لفظوں میں انسانی تربیت کی ذمہ داری تھی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍۙ---[۱]

''وہی ذات ہے جس نے اَن پڑھوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے''---

رسولِ کریم ﷺ نے ابتدا میں خفیہ، بعد میں علانیہ دعوت کا آغاز کیا۔ مخالفتیں ہوئیں، ظلم و ستم کی آندھیاں چلیں، سازشیں ہوئیں، دیس نکالا ہوا، مخالفین نے جنگیں بپا کیں اور کارِ نبوت کو ناکام بنانے کے لیے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کیے گئے۔ تیئیس سالہ جدوجہد کے بعد بالآخر مقصدِ نبوت پورا ہوا اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آ گیا جو ہر قسم کی برائی سے پاک، صالح اور تمام انسانی خوبیوں کا مرقع تھا۔ ایسا معاشرہ، جہاں اب کئی خداؤں کی پوجا پاٹ کے بجائے معبودِ حقیقی جل جلالہ کی پرستش کی جاتی تھی۔ اہلِ ایمان، خالقِ کائنات کی عبادت سے لذت آشنا ہوئے تو ان کے شب و روز قیام اور رکوع و سجود میں گزرنے لگے۔ دنیاوی لذتوں کی اہمیت نہیں رہی تھی، بلکہ ہر شخص کو آخرت میں سرخروئی، اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیشی اور جواب دہی کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ ہر فرد، خوفِ خدا سے لرزاں و ترساں رہتا تھا۔ جن کے مزاج میں خود غرضی تھی، ان کی طبیعتیں ایثار و قربانی کا نمونہ بن گئیں۔ بے حیا معاشرے اور نجاست زدہ ماحول کی جگہ، اب جسمانی پاکیزگی، عقائد و افکار کی پاکیزگی، دل اور روح کی پاکیزگی، سیرت و کردار کی پاکیزگی، عادات و اطوار کی پاکیزگی اور گفتگو کی پاکیزگی نے لے لی تھی۔

سچائی، عہد کی پابندی اور امانت داری جیسی اعلیٰ صفات نے معاشرے کے حسن کو چار چاند لگا دیے تھے۔ بڑوں کی عزت و تکریم، کمزوروں پر شفقت و رحم دلی اور غلاموں سے حسن سلوک کی شان دار مثالیں سامنے آ رہی تھیں۔ اس نبوی معاشرے کے انسان، جنگ و جدل کو خیر باد کہہ کر امن و سکون اور عافیت و سلامتی کے سایہ میں پناہ لے چکے تھے۔ انسانیت کے قاتل، انسانیت کے محافظ بن گئے۔ جہالت کی جگہ علم اور تعلیم و تعلم نے لے لی تھی۔ تواضع اور انکسار تھا، تکبر تھا، نہ انا پرستی۔ قبائلی عصبیت تھی، نہ خاندانی غرور۔ غرض کہ ہر شعبہ زندگی میں ایسا انقلاب برپا ہوا کہ انسانی تاریخ میں ایسی مثال ملنا ناممکن ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے، پہلے والے اجڈ، گنوار اور ہر طرح سے گمراہی میں ڈوبے ہوئے شخص کی جگہ یکا یک ایک نیا انسان، ہدایت یافتہ انسان، صاف ستھرا اور کامل انسان وجود میں آ گیا ہو۔ تیئس برس کی قلیل مدت میں جیسے ایک نئی دنیا کا ظہور ہو گیا ہو۔

یہ کایا پلٹ کیسے ہوئی، کس نے کی؟ یہ کس ہستی نے مردہ انسانی ضمیروں کو حیات سے آشنا کر دیا اور آلودہ روحوں کو اجلا بنا دیا؟ کس نے تعفن زدہ معاشرے کو مشک و عنبر کی سی خوشبو سے معطر کر دیا؟ یہ کس ذات والا صفات کی تربیت کے اثرات تھے کہ عقائد و افکار میں خوش گوار تبدیلی واقع ہوگئی اور عرب کا معاشرہ اہلِ عالم کے لیے مثالی معاشرے کا عملی نمونہ پیش کرنے لگا؟ یہ کس کی آغوشِ تربیت کا اثر تھا کہ جو لوگ نظم ریاست، سیاسی اصول اور آئین و دستور کی ابجد سے ناواقف تھے، ان کا اندازِ حکمرانی، دنیا والوں کے لیے مشعلِ راہ بن گیا۔ یقیناً، یہ مربیٔ اعظم، حضور سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کی معجزانہ تعلیم و تربیت کا کمال تھا کہ جس نے، ذلت و پستی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرے ہوئے انسانوں کو اشرف المخلوقات کے حقیقی مقام تک پہنچا دیا۔ یہاں تک کہ آخرت کی گھڑیوں میں جب جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے، اس امت کے صلحاء کو، پہلی امتوں کے مقابلے میں، بطورِ حجت اور مقبول الشہادت پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا---[۲]

''اور اسی طرح ہم نے تمھیں امتِ وسط بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور یہ رسول تم پر گواہ ہوں گے''---

رسولِ کریم ﷺ نے جن عوامل کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت فرمائی، ان میں توحید و رسالت اور آخرت پر ایمان، اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہی کا تصور، عبادات، خصوصاً نماز کی بجا آوری، ہر حال میں اطاعتِ الٰہی، اخلاصِ نیت اور محاسبۂ نفس جیسے اہم عوامل شامل تھے۔ مزید یہ کہ تلاوتِ قرآن حکیم اور تعلیم حکمت و دانائی کے ذریعے، رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے نفوس کا تزکیہ فرماتے۔

نبوی نصابِ تربیت کے مذکورہ عوامل میں مرکزی کردار تین عقائد کا تھا:

❶ ......عقیدۂ توحید، یعنی اللہ تعالیٰ کو یکتا اور ایک ماننا، اس کے ساتھ اس کی خدائی میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ یہ عقیدہ انسان کے فکر و عمل اور سیرت و کردار پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ اس سے انسان کی انفرادی زندگی اور معاشرے کی اجتماعی صورتِ حال میں بہت بنیادی تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وجود پر پختہ یقین رکھنے اور اسے اکیلا عبادت کے لائق ماننے سے انسان ہر قسم کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس میں خودداری اور عزتِ نفس پیدا ہوتی ہے، نیکیوں کی طرف میلان اور برائی سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے والہانہ محبت کا لازمی نتیجہ اطاعتِ الٰہی ہے۔

❷ ...... نبی اکرم ﷺ کے دیے ہوئے نصابِ تربیت کا دوسرا اہم جزو، سلسلۂ نبوت و رسالت پر ایمان لانا ہے۔ جو شخص اس بات کو تسلیم کر لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبی اور رسول ہی انسانیت کی رہنمائی اور ہدایت کا قطعی، یقینی اور واضح ذریعہ ہیں، اسے زندگی گزارنے کا واضح اور ٹھوس راہِ عمل میسر آ جاتا ہے۔ یہ عقیدہ کہ رسول اللہ ﷺ کا تعلق براہِ راست خالقِ کائنات سے ہے اور آپ ﷺ وحی الٰہی سے فیض یاب ہو کر انسانیت کی راہنمائی فرما رہے ہیں، انسان کو یہ یقین دلاتا ہے کہ اس کے قدم سیدھی راہ پر ہیں اور وہ حقیقی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس عقیدے کی وجہ سے انسان کا سچی حقیقتوں سے واسطہ پڑتا ہے، کوئی بات الجھی ہوئی نہیں رہتی، حق اور باطل اور نیکی اور برائی میں امتیاز کرنا آسان ہو جاتا ہے، لہٰذا انسان، یکسو ہو کر اپنے پروردگار کی اطاعت اور اس کے رسول ﷺ کی پیروی میں زندگی بسر کرتا ہے۔

❸ ...... رسولِ اکرم ﷺ کے تربیتی نصاب کا تیسرا اہم عقیدہ، آخرت کی زندگی پر یقین رکھنا ہے۔ اس کی بدولت انسان، فانی اور ناپائے دار زندگی کے بجائے اُخروی اور

ابدی زندگی میں فلاح ونجات پانے کی کوشش کرتا ہے۔آخرت پر یقین سے نیکی کا شیریں پھل اور برائی کا تلخ نتیجہ مجسم ہوکر انسان کے سامنے آ جاتا ہے۔اس لیے دنیاوی لذتیں، ایسے شخص کو اپنی طرف راغب نہیں کرسکتیں۔اس طرح نیکی آسان اور برائی دل پر بوجھ بن جاتی ہے۔ آخرت میں محاسبے اور مؤاخذے کا ڈر، انسان کی جلوت اور خلوت کو پاکیزہ بنا دیتا ہے۔ صفتِ تقویٰ کا حصول کہ جس کا قرآن مجید میں مسلمان سے بار بار تقاضا کیا گیا ہے، آخرت پر یقین کے بغیر ممکن نہیں۔

ایک اہم عامل جس کے ذریعے عہد نبوی میں تربیتی عمل جاری تھا، وہ عبادات خصوصاً نماز کی بجا آوری تھی۔ رسولِ کریم ﷺ نے نماز کی اس قدر تاکید فرمائی کہ اسے ایمان واسلام اور شرک وکفر کے درمیان فرق کا سبب قرار دے دیا۔نماز، انسان میں بندگی کا احساس پیدا کرتی ہے اور وہ تمام معمولاتِ زندگی میں اپنے رب کی اطاعت اختیار کرتا ہے۔ فرض نمازوں کے علاوہ، رسول اللہ ﷺ نوافل کی کثرت فرماتے۔ بالخصوص، قیام لیل کا اہتمام فرماتے اور امت کو بھی اس کی ترغیب دی۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت بھی اپنے مربی ﷺ کے ساتھ قیام لیل پر عمل پیرا رہتی تھی، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ---[۳]

”بے شک تمہارا رب جانتا ہے کہ تم قیام کرتے ہو، کبھی دو تہائی رات کے قریب، کبھی آدھی رات، کبھی تہائی اور آپ کے ساتھیوں میں سے ایک جماعت بھی (قیام کرتی ہے)“---

عہد نبوی میں، عقائد میں پختگی اور عبادات کی پابندی کے ساتھ ساتھ، تربیتی عمل کے دیگر عوامل بھی کچھ اہم نہ تھے۔مثلاً: نبوی مدرسے میں ذکر الٰہی کی کثرت پر زور دیا گیا اور مختلف وقتوں کی خاص دعاؤں کا اہتمام کیا جا رہا تھا۔استغفار بھی اس تربیت کا حصہ تھا۔ کمزور افراد کی اعانت اور جہادی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے انفاق فی سبیل اللہ پر ابھارا گیا۔ جہاد کی تیاری کے ذریعے کفر سے ٹکرانے کا حوصلہ اور شجاعت و بہادری کی صفات پیدا کی جا رہی تھیں۔ مصائب و مشکلات کی گھڑیوں میں، صبر واستقلال کا دامن تھامے رکھنے کی تلقین کی جا رہی تھی۔نعمتوں کے ملنے پر اپنے پروردگار کا شکر بجالانے کی تعلیم دی جا رہی تھی۔

جاہلانہ رویہ اپنانے والوں اور اکھڑ مزاجوں سے اعراض کرنے اور دوسروں کی غلطیوں سے عفو و درگزر کی تلقین کی جارہی تھی۔ حسنِ معاشرت کے لیے والدین، اولاد، زوجین، رشتے داروں، ہمسائیوں، مسکینوں، یتیموں اور مسافروں کے حقوق کی ادائی پر قرآنِ کریم کی آیات نازل ہو رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ اپنے زیرِ تربیت افراد کی عملی زندگی میں انہیں نافذ فرمارہے تھے۔ مکارمِ اخلاق کا فروغ بھی اس تربیتی عمل میں شامل تھا۔ خوش خبری دی جارہی تھی کہ ایمانِ کامل تو بس اسی شخص کا ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں [۴] اور یہ کہ میرے نزدیک سب سے محبوب اور قیامت میں میرے نزدیک ترین بیٹھنے والے وہ لوگ ہوں گے جو سب سے زیادہ خوش اخلاق ہیں۔ [۵]

یہ بھی فرمایا:

''میری بعثت کا مقصد ہی عمدہ اخلاق کی تکمیل ہے''---[۶]

چنانچہ آپ ﷺ نے سچائی، عہد کی پابندی، امانت داری، عدل و انصاف، ایثار و قربانی جیسی عمدہ صفات کو معاشرتی حسن کا لازمی جزو قرار دے دیا۔ جھوٹ، غیبت، حسد، تکبر اور منافقت کی پرزور مذمت کی اور اسلامی معاشرے کے لیے ان کے سنگین اور برے اثرات کو واضح فرمایا۔

مکی زندگی میں سیدنا ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہما کا گھر، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے تعلیم و تربیت کا مرکز یا مدرسہ تھا۔ حقیقت میں یہ اس ماحول کی ضرورتوں کے مطابق وقتی بندو بست تھا۔ مدنی زندگی میں فقراءِ مہاجرین کے لیے صفہ کو تربیت گاہ اور تعلیمی مرکز کا درجہ دیا گیا۔ ان فقراءِ مہاجرین کی یہی رہائش گاہ اور یہی درس گاہ بھی تھی۔ لیکن تعلیم و تربیت کا عمل، دارِ ارقم اور صفہ کے ساتھ خاص نہیں تھا۔ سفر ہو یا قیام، دن ہو یا رات، مسجد ہو یا بازار، جنگ ہو یا امن، سواری پر ہوں یا پیدل، مجلس میں ہوں یا تنہا، کسی کے پاس، ہر جگہ اور ہر وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت کا عمل بروئے کار آرہا تھا۔ گویا چلتی پھرتی خانقاہ تھی اور دوڑتا بھاگتا مدرسہ تھا، جس میں ایک ایسا گروہ تیار ہو رہا تھا جن کی اسلام کے ساتھ ان مٹ اور لازوال وابستگی تھی۔ تزکیہ اور تربیت کی بھٹی سے گزر کر یہ لوگ، اسلام پر پختگی سے عمل پیرا تھے کہ دنیا کی کوئی طاقت انہیں اسلام سے برگشتہ نہیں کرسکی تھی۔ آزمائش کا وہ کون سا طریقہ ہے جو ترکِ اسلام کے لیے ان پر نہ آزمایا گیا ہو، مگر کیا مجال کہ ان کے پائے استقامت میں ذرّہ بھر لغزش آئی ہو۔

ابتلاء و آزمائش کی ہر شکل، ان کے صبر و استقلال میں اضافے کا سبب بنتی چلی گئی۔ نبوی منہاجِ تربیت سے فیض یافتہ یہ گروہِ صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) پورے جذبے اور عزم سے اٹھا اور ان کی کوششوں سے ساری دنیا اسلام کے نور سے منور ہو گئی۔

رسول اللہ ﷺ کے نظامِ تربیت کا ایک امتیاز یہ ہے کہ عام طور پر مصلحین نے جزوی تبدیلی کے لیے چند انسانی عادات اور گنے چنے شعبہ ہائے زندگی کو ہدف بنایا۔ مگر رسولِ کریم ﷺ کی تعلیمات میں، جامع اور مکمل تبدیلی کے عوامل پائے جاتے ہیں۔ گویا، مربیِ اعظم ﷺ کا نظامِ تربیت، انسان میں جوہری تبدیلی لاکر کلیۃً ایک نیا انسان بنانے کا نظام ہے۔

دوسرے یہ کہ دنیا بھر کی اصلاحی تحریکوں کے علم برداروں نے عام طور پر انسان کے خارجی نظام کو بدلنے کی کوششیں کیں، لیکن حضور نبی کریم ﷺ نے جتنا انسان کے ظاہر کو پاکیزہ بنانے پر زور دیا، اس سے کہیں زیادہ باطنی پاکیزگی اور دل و دماغ اور روح کو صاف ستھرا رکھنے کی تلقین فرمائی۔ ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ، وَ إِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَّا نَوٰی---[۷]

''اعمال کا دارو مدار تو صرف نیت پر ہے اور ہر شخص کو بس وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہوگی''---

چونکہ نیت یا ارادے کا مقام دل ہے، اس لیے اس کی اصلاح کو ضروری قرار دیتے ہوئے فرمایا:

أَلَا وَ إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً : إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ ، وَ إِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ ، أَلَا وَ هِيَ الْقَلْبُ---[۸]

''آگاہ رہو! بے شک جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ صحیح ہوتا ہے تو تمام جسم صحیح ہوتا ہے اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو پورا جسم خراب ہوتا ہے۔ سنو! وہ ٹکڑا دل ہے''---

ایک اور حدیث پاک میں ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَ أَمْوَالِكُمْ ، وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ إِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ أَعْمَالِكُمْ---[۹]

''بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے''---

ویسے تو قلبی یا باطنی خرابیاں بہت سی ہیں لیکن ریا کاری اور دکھلاوا تو اعمالِ صالحہ کی مکمل بربادی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے بچاؤ کے لیے رسول اللہ ﷺ نے بہت زور دیا۔ ایک حدیث پاک میں قاریٔ قرآن، مجاہد اور سخی کا قصہ بیان ہوا ہے کہ آخرت میں ان کے ان اعمال پر نہ صرف کوئی اجر نہیں دیا جائے گا بلکہ ان کے باعث انہیں دوزخ میں اوندھے منہ گرا دیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ انہوں نے ان اعمال میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے بجائے لوگوں کے دکھلاوے کی نیت کی تھی۔

اوپر کی اس بحث سے رسول اللہ ﷺ کے تربیتی عمل اور کوششوں کو اجاگر کیا گیا ہے اور نبوی تربیت کے فوائد اور برکات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ تربیتِ افراد کے حوالے سے، رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا یہ سبق فراموش کر دینے کا نتیجہ ہے کہ آج، ہر جماعت اور تحریک میں سوائے انسانوں کے بے ہنگم ہجوم کے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اسی وجہ سے سیاسی کارکن، محض مفادات کے حصول کے لیے جماعتوں میں شمولیت اختیار کرتے ہیں اور ان میں ملک و قوم اور دین کی خدمت کا جذبہ عنقا ہے۔ ہماری اخلاقی پستی کا بنیادی سبب یہی ہے کہ عوام کی تربیت کے ذمہ داروں نے کبھی اپنے فرضِ منصبی کا ادراک ہی نہیں کیا۔ تربیتی عمل کو غیر ضروری سمجھ لینے کے بعد مسلم ملک کے منتخب نمائندے، مخالفین کو گالی گلوچ سے نوازیں اور ان کی کردار کشی کریں تو اس پر تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ تربیت کے بغیر افراد کو میدانِ عمل میں اتارنے کے باعث، بدعہدی، جھوٹ، بددیانتی اور قانون شکنی جیسی بری عادات قوم کی رگوں میں اتر چکی ہیں۔ اس صورت حال میں یہ شکوہ بے جا ہے کہ اقوام عالم میں ہماری اہمیت کیوں نہیں؟ اسوۂ حسنہ کے اس پہلو کو نظر انداز کرنے کے بعد، اگر عدل و انصاف کے ادارے زوال پذیر ہوں، ہماری یونی ورسٹیوں کی ڈگریاں بین الاقوامی سطح پر محض کاغذ کا پرزا سمجھی جائیں اور گرین پاسپورٹ رکھنے پر ہمیں کم تر قوم کا درجہ دیا جائے تو اس پر واویلا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اے کاش! ہمارے دینی، روحانی اور سیاسی قائدین اپنے پیروؤں کی تربیت کو اہمیت دیں، انہیں پاکیزہ مقاصد کی خاطر تربیت کے عمل سے کندن بنا کر میدانِ عمل میں اتاریں۔ بالخصوص دینی پیشواؤں، مساجد سے وابستہ علماءِ دین اور مشائخ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے متعلقین کی تربیت کی غرض سے نصابِ تربیت، مرتب کریں، تربیتی حلقوں کا اہتمام کریں

اور اتباعِ نبوی میں، اپنا فرضِ منصبی سمجھ کر عوام الناس کے عقائد واعمال کی اصلاح کا بیڑا اٹھائیں۔
دینی حوالے سے عوام کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے طور پر بعض اعمال کو عبادت سمجھ کر انجام دیتے ہیں اور ان پر مال خرچ کرتے ہیں، جب کہ ان سے اہم کاموں کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتے۔
مثلاً نعت خوانی کی محافل کے انعقاد پر بے دریغ دولت خرچ کر دی جاتی ہے، میلاد النبی ﷺ کے جشن کو پر رونق بنانے کے لیے لاکھوں روپے خرچ کیے جاتے ہیں، قوالوں اور نعت خوانوں پر بے حد وحساب دولت لٹائی جاتی ہے، دوسری طرف اہلِ سنت و جماعت کے دینی مدارس کی اعانت کرتے وقت ان مال داروں کو مشکل پیش آتی ہے۔ حالانکہ دینی ادارے فنڈز کی کمی کے باعث سخت مشکلات سے گزر رہے ہیں اور زکوٰۃ وصدقات اور عطیات کا اصل مصرف یہی ہیں۔ علمی سوتے خشک کرنے کا نتیجہ قومی زوال کے سوا کچھ نہیں۔
مرحومین کے لیے ایصالِ ثواب کی محافل کے انعقاد پر لاکھوں روپے خرچ کرنا ترجیح نہیں ہونی چاہیے، اس کے بجائے دیگر رفاہی امور پر خرچ کرنا اور دین کی ترقی اور اشاعت کے کاموں میں مالی معاونت، زیادہ ثواب کا باعث ہے۔ تربیتی عمل میں کوتاہیوں کے یہ چند مظاہر ذکر ہوئے ہیں، ورنہ قدم قدم پر اس کے نتائج دیکھے جا سکتے ہیں۔

نوٹ: تربیتِ افراد کے ضمن میں یہ ابتدائی گفتگو کی گئی ہے، نبوی منہاجِ تربیت کی مزید تفصیل آئندہ پیش کی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

حوالہ جات

۱...... الجمعۃ،۶۲:۲ ۲...... البقرۃ،۲:۱۴۳

۳...... المزمل،۷۳:۲۰

۴...... مسند احمد بن حنبل، ترمذی، باب فی استکمال الایمان، حدیث:۲۶۱۲

۵...... ترمذی، ما جاء فی معالی الاخلاق، حدیث:۲۱۳۷

۶...... کنز العمال،۱:۵ ۷...... بخاری، رقم الحدیث:۱

۸...... بخاری، کتاب الایمان، حدیث:۵۲/مسلم، کتاب المساقاۃ، حدیث:۱۰۷

۹...... مسلم، باب تحریم ظلم المسلم، حدیث:۲۵۶۴

[جاری ہے]

❀❀❀❀❀

انوار القرآن و الحدیث

گناہوں کی معافی کے طریقے

مفتی آفتاب احمد رضوی

انسان خطا کا پتلا ہے، خواہشِ نفس اور ہوا و ہوس کا شکار ہے، شب و روز شیطان کے نشانے پر ہے، قدم قدم پر مشکلات سے دوچار ہے، گناہ کے دَلدل میں گرتا اٹھتا جا رہا ہے، آزمائشوں اور امتحانات کی بھٹی میں مسلسل جل رہا ہے، خیر و شر کی طاقتوں کے درمیان لٹکا ہوا ہے، ایک طرف جنت اور ایک طرف جہنم ہے، ایک طرف کامیابی اور ایک طرف ناکامی ہے، اس حیاتِ مستعار کا لمحہ لمحہ امتحان اور ابتلاء ہے۔

فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی کی واحد سبیل فضلِ الٰہی اور رحمتِ خداوندی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝---[۱]

’’آپ کہیے: اے میرے وہ بندو! جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر

زیادتی کر چکے ہو، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا، بے شک وہی بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے“---

ارشاد فرمایا:

إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي---[۲]

”بے شک میری رحمت، میرے غضب پر سبقت لے گئی“---

انسان جتنا بھی گنہگار رہو، مایوسی اور ناامیدی اس کے لیے جائز نہیں ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَ مَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَo---[۳]

”اپنے ربّ کی رحمت سے کون ناامید ہو، مگر وہی جو گمراہ ہوئے“---

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

لَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ط اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَo---[۴]

”اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بے شک اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے مگر کافر لوگ“---

ایمان کی تکمیل

کسی مسلمان کا ایمان مکمل تب ہوتا ہے جب اس کے دل میں خوفِ خدا بھی ہو اور قلب پُر امید بھی ہو۔ اگر خوف غالب ہوا اور امید جاتی رہی تو بھی ایمان نامکمل ہے اور اگر امید غالب رہی اور خوف جاتا رہا، تب بھی ایمان نامکمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا وَ كَانُوْا لَنَا خَاشِعِيْنَo---[۵]

”بے شک وہ بھلے کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں پکارتے تھے امید اور خوف سے، اور ہمارے حضور گڑگڑاتے ہیں“---

أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ إِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ---[۶]

''وہ مقبول بندے جنھیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے، اس کی رحمت کی امید رکھتے اوراس کے عذاب سے ڈرتے ہیں''---

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے:

''میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوں، اب وہ میرے متعلق جو چاہے گمان رکھے''---[۷]

کسی بھی مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ جب وہ نیک عمل بجالائے، ایک طرف خوف لاحق ہو کہ اس میں کمی کوتاہی رہ گئی ہوگی، شاید رب کریم قبول نہ فرمائے، دوسری طرف یہ خیال راسخ رہے کہ اللہ کریم اپنی کمال مہربانی سے اسے شرف قبول عطا فرمائے گا، خوف اور امید کی یہ کیفیت تکمیلِ ایمان کی علامت ہے۔

گناہ کا وبال

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

ظَھَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ أَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَھُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَo---[۸]

''چمکی خرابی خشکی اورتری میں ان برائیوں سے جو لوگوں کے ہاتھوں نے کمائیں تاکہ انھیں ان کے بعض کوتکوں (برے کاموں) کا مزہ چکھائے، کہیں وہ باز آئیں''---

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ مَا أَصَابَکُمْ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ أَیْدِیْکُمْ وَ یَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍo---[۹]

''اور تمھیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو معاف فرمادیتا ہے''---

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ إِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَۃً فَرِحُوْا بِھَا وَ إِنْ تُصِبْھُمْ سَیِّئَۃٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَیْدِیْھِمْ إِذَا ھُمْ یَقْنَطُوْنَo---[۱۰]

''اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ دیتے ہیں اس پرخوش ہوجاتے ہیں اور

اگر انھیں کوئی برائی پہنچے بدلہ اس کا جوان کے ہاتھوں نے بھیجا، جبھی وہ ناامید ہوجاتے ہیں''---

لیکن اللہ کریم جل شانہ نے باوجود اس کے کمال مہربانی سے انسان کو راہِ راست پر آنے کے مواقع عطا فرمائے کہ خطا، گناہ اور ظلم وزیادتی کا ارتکاب کرنے کے باوجود بھی معافی کا راستہ کھلا رکھا۔ کوئی بھی شخص کسی بھی وقت اپنے گناہوں کی معافی کے لیے رجوع کرسکتا ہے۔ مغفرت اور بخشش کا دروازہ ہمہ وقت کھلا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَo---[۱۱]

''بے شک اللہ پسند کرتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو''---

ایک اور مقام پر قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا التَّوْبَۃُ عَلَی اللّٰہِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَھَالَۃٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓئِکَ یَتُوْبُ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ ط وَ کَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًاo---[۱۲]

''وہ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے فضل سے لازم کرلیا ہے، وہ انہیں کی ہے جو نادانی سے برائی کر بیٹھیں، پھر تھوڑی دیر میں توبہ کرلیں، ایسوں پر اللہ اپنی رحمت سے رجوع کرتا ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے''---

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاءٌ وَ خَیْرُ الْخَطَّائِیْنَ التَّوَّابُوْنَ---[۱۳]

''سارے انسان خطا کار ہیں اور خطا کاروں میں سب سے بہتر وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں''---

حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا:

وَ اللّٰہِ اِنِّی لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ فِی الْیَوْمِ اَکْثَرَ مِنْ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً---[۱۴]

''اللہ کی قسم! میں دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ سے استغفار اور اس سے توبہ کرتا ہوں''---

امام الانبیاء، سید المرسلین، خاتم النبیین ﷺ کے طفیل رب کریم نے کائناتِ ہست وبُود کو وجود دیا، لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الدُّنْیَا کا تاج سرِاقدس پہ سجایا اور اپنے سارے خزانے ان کے دستِ کرم میں رکھ دیے۔اس کے باوجود بھی آپ ۷۰ مرتبہ استغفار کرتے ہیں۔

کبھی خندہ زیر لب ہے، کبھی گریہ ساری شب ہے
کبھی غم، کبھی طرب ہے، نہ سبب سمجھ میں آیا نہ اسی نے کچھ بتایا
کبھی خاک پر پڑا ہے، سرِ چرخ زیرِ پا ہے
کبھی پیشِ در کھڑا ہے، سرِ بندگی جھکایا تو قدم میں عرش پایا

راتوں کو عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو گناہوں اور خطاؤں سے معصوم رکھا ہوا ہے۔اس لیے کہ اگر انبیاءِ کرام (علیہم السلام) سے گناہ صادر ہو تو ان کی اتباع حرام ہو گی، حالانکہ ان کی اتباع کرنا واجب ہے،اس پر متعدد نصوص دال ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے سبب سے گنہگاروں کے گناہوں کو معاف فرمایا:

لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ یُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ وَ یَھْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًاo---[۱۵]

”تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دے اور تمہیں سیدھی راہ دکھا دے“---

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے تم میں سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے، جس کا اونٹ مایوسی کے بعد اچانک اسے مل گیا ہو، حالانکہ وہ ایک چٹیل میدان میں گم ہوا تھا“---[۱۶]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”کوئی شخص تم میں سے موت کی آرزو نہ کرے، اگر وہ نیک ہے تو ممکن ہے نیکی میں اور زیادہ ہو اور اگر برا ہے تو ممکن ہے اس سے توبہ کر لے“---[۱۷]

سیّدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَمَنَّوُا الْمَوْتَ فَاِنَّ ھَوْلَ الْمُطَّلَعِ شَدِیْدٌ، وَ اِنَّ مِنَ السَّعَادَۃِ اَنْ

یَّطُوْلَ عُمْرُ الْعَبْدِ وَ یَرْزُقَهُ اللّٰهُ الْاِنَابَةَ---[۱۸]

''تم موت کی تمنا نہ کیا کرو، کیونکہ (موت کے بعد والے) امور کی گھبراہٹ بھی بڑی سخت ہے، خوش بختی یہ ہے کہ بندے کی عمر لمبی ہو اور اللہ تعالیٰ اسے توبہ کرنے کی توفیق دے دے''---

گناہ کی دو قسمیں

واضح رہے کہ چھوٹے بڑے ہونے کے اعتبار سے گناہ دو قسم پر ہیں۔ گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ۔ گناہ صغیرہ کی معافی نیکیوں سے ہو جاتی ہے۔ رب کریم جل شانہ نے ارشاد فرمایا:

وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ط اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ط ذٰلِكَ ذِكْرٰی لِلذّٰكِرِیْنَ o---[۱۹]

اور نماز قائم رکھو دن کے دونوں کناروں اور کچھ رات کے حصوں میں، بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں، یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کو''---

وَ مَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ یَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ o---[۲۰]

''اور تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو وہ معاف فرما دیتا ہے''---

انسان اگرچہ خطا کا پتلا ہے اور گناہوں سے محفوظ نہیں رہ پاتا، مگر رب کریم کی رحمت بہت بڑی ہے، یہی وجہ ہے کہ فرمایا: ''بہت سے گناہ معاف فرما دیتا ہوں''۔

راقم نے اس حوالے سے عرض کیا ہے:

آنکھوں میں اشک دل میں خدایا گداز ہے ۔۔۔ سائل ہے مانگتا ہے، سراپا نیاز ہے
تیرا کرم ہو دامنِ محبوب کے طفیل ۔۔۔ اعمال میں اگرچہ نشیب و فراز ہے

پانچ وقت وضو کرنے والا اپنے گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہو جاتا ہے کہ اس کے جسم پر گناہ کا میل تک باقی نہیں رہتا۔

پانچ نمازوں کی مثال

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''اگر کسی شخص کے دروازے پر نہر جاری ہو اور وہ روزانہ اس میں پانچ پانچ دفعہ نہائے تو تمہارا کیا گمان ہے، کیا اس کے بدن پر کچھ بھی میل باقی رہ سکتا ہے؟ صحابہ نے عرض کی کہ نہیں یا رسول اللہ! ہرگز نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہی حال پانچوں وقت کی نمازوں کا ہے کہ اللہ پاک ان کے ذریعہ سے گناہوں کو مٹا دیتا ہے''---[۲۱]

اللہ تعالیٰ کی رحمت گنہگار کو ڈھانپ لیتی ہے، شرط یہ ہے کہ اپنے کیے پر پچھتائے، معافی مانگے اور ندامت و شرمندگی کا اظہار کرے۔

رحمت الٰہی کی وسعت

''حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا تو اس نے کہا: اللہ کے رسول! میں نے مدینہ کے آخری حصے میں ایک عورت کو قابو کر لیا اور اس کے علاوہ کہ میں اس سے جماع کروں میں نے اس سے اور سب کچھ حاصل کر لیا۔ تو (اب) میں آپ کے سامنے حاضر ہوں، آپ میرے بارے میں جو چاہیں فیصلہ کر لیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: اللہ نے تمہارا پردہ رکھا، کاش! تم خود بھی اپنا پردہ رکھتے۔ (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے) کہا، رسول اللہ ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ تو (کچھ دیر بعد) وہ شخص اٹھا اور چل دیا۔ نبی ﷺ نے اس کے پیچھے ایک آدمی بھیج کر اسے بلایا اور اس کے سامنے یہ آیت پڑھی: دن کے دونوں حصوں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کرو، بے شک نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔ یہ ان کے لیے یاد دہانی ہے جو اچھی بات کو یاد رکھنے والے ہیں۔

فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ هٰذَا لَهٗ خَاصَّةً قَالَ بَلْ لِلنَّاسِ كَافَّةً---

''اس پر لوگوں میں سے ایک آدمی نے کہا: اللہ کے نبی! کیا یہ خاص اسی کے لیے ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلکہ تمام لوگوں کے لیے ہے''---[۲۲]

اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کا اندازہ اس حدیث پاک سے لگائیں کہ کس طرح اس کے گناہوں پر خطِ تنسیخ پھیر دیا گیا اور پھر کرم بالائے کرم بھی فرمایا کہ رحمت صرف

اس مخصوص شخص تک محدود نہ رہی بلکہ کوئی بھی، کسی بھی وقت، کسی بھی قسم کے گناہ صغیرہ کا ارتکاب کرے تو رب کریم جل شانہ نیکی اور عبادت کے طفیل اس بندے پر رحمت اور مغفرت کی نگاہ فرما کر گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

اگر خدانخواستہ انسان خطا اور گناہ کا شکار ہو جائے اور بھول کر لاعلمی میں غلطی کا ارتکاب کرے، جب یاد آ جائے تو توبہ و استغفار کرے، رب سے معافی کا طلب گار اور خواست گار ہو۔

اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا:

وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ۝---[۲۳]

''اور جو کہیں تجھے شیطان بھلاوے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ''---

اصرار اور استغفار

گناہ صغیرہ اگرچہ نیکی اور عبادت سے معاف ہو جاتا ہے لیکن اگر انسان اس گناہ پر اصرار کرے اور بار بار اس کا ارتکاب کرے تو پھر یہ گناہ کبیرہ بن جاتا ہے، اس لیے کہا جاتا ہے:

لَا صَغِیْرَۃَ مَعَ الْاِصْرَارِ وَ لَا کَبِیْرَۃَ مَعَ الْاِسْتِغْفَارِ---[۲۴]

اصرار، یعنی بار بار کرنے سے گناہ صغیرہ، صغیرہ نہیں رہتا بلکہ کبیرہ بن جاتا ہے اور استغفار، یعنی معافی مانگنے سے کبیرہ گناہ کبیرہ نہیں رہتا بلکہ معاف ہو جاتا ہے۔

اہل سنت کا عقیدہ

حضرت قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

هٰذَا الْمَذْكُوْرُ فِي الْحَدِيْثِ مِنْ غُفْرَانِ الذُّنُوْبِ مَا لَمْ تُؤْتَ كَبِيْرَةٌ هُوَ مَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَ أَنَّ الْكَبَائِرَ إِنَّمَا تُكَفِّرُهَا التَّوْبَةُ أَوْ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ فَضْلُهٗ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ ---[۲۵]

''حدیث پاک میں مذکور گناہوں کی معافی کا مطلب یہ ہے کہ جب تک گناہ کبیرہ نہ ہو یہی اہل سنت کا مذہب ہے اور کبیرہ گناہ توبہ سے مٹتے ہیں، یا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل سے ختم ہو جاتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے''---

جہاں تک گناہِ کبیرہ کا تعلق ہے تو اس کی معافی کے لیے اللہ کے دربار میں توبہ کرنا لازم ہے۔

توبہ کی شرائط

حضرات علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے توبہ کی تین شرائط کو ذکر فرمایا ہے:

❶......گناہ کا ترک کرنا

❷......گناہ پر شرمندگی کا اظہار کرنا

❸......آئندہ وہ گناہ نہ کرنے کا عہد و پیمان کر لینا

جب سچے دل سے انسان ان تمام شرائط پر عمل پیرا ہو کر بارگاہ رب میں استغفار کر کے معافی کا طلب گار ہو جاتا ہے، رب کریم اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے، یہ توبہ نہیں ہے کہ بندہ مسلسل گناہ بھی کرتا رہے اور توبہ توبہ کی رٹ بھی لگاتا پھرے۔ گناہ بھی کرتا رہے اور اپنے کیے پر ندامت، پچھتاوے اور پشیمانی کا اظہار بھی کرتا رہے۔ گناہ بھی کرتا رہے اور آئندہ نہ کرنے کا وعدہ و پیمان بھی کرتا رہے۔ راقم نے عرض کیا ہے:

دامانِ گنہگار ہے جرموں سے دریدہ — آنکھوں میں ندامت کے ہیں آثار دمیدہ
اٹھتی ہے نظر جانبِ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — شرمندہ و لرزندہ بدن زار خمیدہ

گناہ کبیرہ کی معافی کے لیے توبہ ضروری ہے

وَ أَمَّا الْکَبَائِر فَلَا بُدَّ لَهَا مِنْ التَّوْبَةِ ؛ لِاَنَّ اللّٰه أَمَرَ الْعِبَاد بِالتَّوْبَةِ ، وَ جَعَل مَنْ لَّمْ يَتُبْ ظَالِمًا ، وَ اتَّفَقَتِ الْاُمَّة عَلٰى أَنَّ التَّوْبَة فَرْض ، وَ الفَرَائِض لَا تُؤَدّٰى إِلَّا بِنِيَّة وَ قَصْد ، وَ لَو كَانَت الكَبَائِر تَقَع مُكَفَّرَة بِالْوُضُوْءِ وَ الصَّلَاة وَ أَدَاء بَقِيَّة أَرْكَان الإِسْلَام لَم يُحْتَج إِلَى التَّوْبَة ، وَ هٰذا بَاطِل بِالْاِجْمَاع---[۲۶]

''کبیرہ گناہوں کے لیے توبہ ضروری ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو توبہ کرنے کا حکم دیا اور توبہ نہ کرنے والوں کو ظالم قرار دیا اور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ توبہ فرض ہے اور فرائض نیت اور ارادے سے ادا ہوتے ہیں، اگر کبیرہ گناہ وضو اور نماز کے ساتھ اور باقی ارکانِ اسلام کی ادائیگی سے مٹتے تو توبہ کی حاجت نہ پڑتی اور یہ علماء کے اجماع کے ساتھ باطل ہے''---

گناہ سے بچنے کا طریقہ

گناہ کا تصور بھی انسان کو گناہ سے روکنے کے لیے کافی ہے کہ نافرمانی کرتے ہوئے

دل ودماغ کو حاضر کرتے ہوئے سوچے اور غور وفکر کرے کہ میں کس کی حکم عدولی کر رہا ہوں، کس کے احکام کو پس پشت ڈال رہا ہوں، اگر محض یہی تصور دل ودماغ میں راسخ ہو جائے تو گناہ کے ارتکاب سے بچنا ممکن ہے۔ کیونکہ جس رب پر ایمان ہے اس کی ہیبت، سطوت، دبدبہ اور جلال کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے بندہ گناہ کے قریب نہیں جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت بے حد اور بے حساب ہے۔ دن ہو یا رات، صبح ہو یا شام، ہر وقت اللہ کریم جل شانہ کی رحمت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ بعض مواقع ایسے بھی آتے ہیں کہ رحمتِ الٰہی چھما چھم بے حساب برسنے لگتی ہے۔ انسان رحمتِ خداوندی کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔

حوالہ جات

۱...... الزمر، ۳۹:۵۳
۲...... بخاری، حدیث:۴۲۲۷
۳...... الحجر، ۱۵:۵۶
۴...... یوسف، ۱۲:۸۷
۵...... الانبیاء، ۲۱:۹۰
۶...... بنی اسرائیل، ۱۷:۵۷
۷...... دارمی، کتاب الرقاق، باب حسن ظن باللہ، ۲/۵۹۳، حدیث:۲۷۳۱
۸...... الروم، ۳۰:۴۱
۹...... الشوریٰ، ۴۲:۳۰
۱۰...... الروم، ۳۰:۳۶
۱۱...... البقرۃ، ۲:۲۲۲
۱۲...... النساء، ۴:۱۷
۱۳...... ترمذی، حدیث:۲۴۹۹
۱۴...... بخاری، حدیث:۶۳۰۷
۱۵...... الفتح، ۴۸:۲
۱۶...... بخاری، حدیث:۶۳۰۹
۱۷...... بخاری، حدیث:۲۳۳۵
۱۸...... مسند احمد، حدیث:۱۴۶۱۸
۱۹...... ھود، ۱۱:۱۱۴
۲۰...... الشوریٰ، ۴۲:۳۰
۲۱...... بخاری، حدیث:۵۲۸
۲۲...... بخاری، حدیث:۷۰۰۴
۲۳...... الانعام، ۶:۶۸
۲۴...... مرقاۃ المفاتیح، باب الکبائر و علامات النفاق، ج۱، ص۱۲۱
۲۵...... النووی، شرح النووی علی مسلم، ج۳، ص۱۱۲
۲۶...... الخطیب الشربینی، الخصال المکفرۃ للذنوب، ص۴۳

’’عاشق ومعشوق‘‘ الفاظ کا مقدس استعمال

پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن

کسی دوست نے یہ سوال کیا ہے کہ: ’’کیا اللہ تعالیٰ کے لیے ’’عاشق‘‘ یا ’’معشوق‘‘ یا ’’مشوق‘‘ کے کلمات استعمال کرنا جائز ہیں؟ رسول اللہ ﷺ سے اظہارِ محبت کے لیے عشقِ رسول کا لفظ استعمال کرنا یا یہ کہنا کہ ’’فلاں عاشقِ رسول ہے یا میں عاشقِ رسول ہوں‘‘، شرعاً جائز ہے؟ نیز کیا رسول اللہ ﷺ کو معشوق کہنا جائز ہے؟ ہم عشقِ حقیقی اور عشقِ مَجازی کے الفاظ سنتے رہتے ہیں، کیا ان میں کوئی معنوی فرق ہے، نیز نعت یا سلام میں یہ شعر پڑھنا کیسا ہے:

امتی کیا ، خود خدا شیدا ہے تمہارا؟

سب سے پہلے عشق کے معنی بیان کیے جاتے ہیں، اَلْمُعْجَمُ الْوَسِیْط کے مطابق:

’’عشق کے لغوی معنی ہیں: ’’بہت شدت سے محبت کرنا، کسی شئے کے ساتھ دل کا وابستہ ہوجانا، چمٹ جانا‘‘---

مِصْبَاحُ الْمُنِیْر میں ہے:

''محبت میں اِفراط (یعنی حد سے تجاوز یا انتہائی درجے کی محبت) کو عشق کہتے ہیں''---

اَلْمُنْجِد میں ہے:

''بہت زیادہ محبت کرنا، محبت میں حد سے بڑھ جانا، عَشِقَ بِالشَّیْئِ: چمٹنا، الْعِشْقُ: محبت کی زیادتی، اس کا اطلاق پارسائی اور غیر پارسائی دونوں اعتبار سے ہوتا ہے''---

ہندی میں ''عشق پیچاں'' ایک بیل کو کہتے ہیں، اردو زبان میں اسے ''آکاس بیل'' کہتے ہیں، یہ درخت سے لپٹ جاتی ہے اور اس کو برگ و بار یعنی شاخوں، پتوں اور پھولوں سے محروم کر دیتی ہے، پھر وہ زرد ہو جاتا ہے اور کچھ دنوں کے بعد خشک ہو جاتا ہے۔ پس جب ''عشق'' قلبِ عاشق پہ چھا جاتا ہے تو اس کو زرد رُو اور لاغر بدن بنا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے عاشق، معشوق اور مشوق کے کلمات استعمال کرنا شریعت کی رُو سے درست نہیں۔ شَاقَ یَشُوْقُ شَوْقًا کے معنی ہیں: شوق دلانا، اس کی صفتِ مفعولی معشوق ہے۔ شَوْقٌ کے معنی ہیں: سخت خواہش، بڑی آرزو۔

بعض فقہاء و علماء نے اسے ''بدعت'' کہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے کلمات استعمال کرنے والے کو بدعتی قرار دیا گیا ہے، البتہ اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی، بعض علماء نے کہا ہے: ''ایسے شخص کو سزا دی جائے گی''۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے آداب میں سے ایک یہ ہے:

''آپ ﷺ کے لیے صریح اہانت کا کلمہ تو درکنار، ایسا ذو معنی کلمہ بھی استعمال کرنا جائز نہیں، جس کا ایک معنی تعظیم کا ہو اور بولنے والے کی نیت بھی تعظیم کی ہو، لیکن اس کے ایک دور کے معنی اہانت کے بھی نکل سکتے ہوں، کیونکہ کوئی بدنیت اور بدعقیدہ شخص ایسے کلمات بول کر اہانت کا معانی مراد لے سکتا ہے''---

جب رسول اللہ ﷺ کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مجلس منعقد ہوتی، آپ ﷺ کے

ارشاداتِ مبارکہ کا سلسلہ جاری ہوتا اور کوئی بات کسی صحابی کی سمجھ میں نہ آتی، تو وہ عرض کرتے:
رَاعِنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ، یعنی اے اللہ کے رسول! ہماری رعایت فرمائیے، ہماری طرف توجہ فرمائیے، اپنی بات مکرر ارشاد فرمائیے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نیت درست ہوتی تھی، لیکن بعض منافقین اور یہود بدنیتی سے اس لفظ کو اِمالہ (Tilt) کر کے رَاعِیْنَا کہتے اور باہر آ کر اپنی مجلسوں میں اس کا مذاق لیتے کہ ہم نے انھیں بنا دیا، کیونکہ رَاعِیْنَا کے معنی ہیں: ''ہمارا چرواہا'' اور بعض اسے رَاعُن سے لیتے اور رعونت کے معنی ہیں: ''بے وقوف ہونا''۔

اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ذو معنی لفظ کے استعمال سے منع فرما دیا اور تنبیہ فرمائی کہ پہلی مرتبہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات غور سے سن لیا کرو تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوبارہ زحمت دینے کی نوبت ہی نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا--- [البقرۃ،۲:۱۰۴]

''اے ایمان والو! رَاعِنَا نہ کہا کرو، بلکہ انْظُرْنَا (ہماری طرف توجہ فرمائیے!) کہا کرو اور (بہتر یہ ہے کہ پہلے ہی) توجہ سے سن لیا کرو''---

ذو معنی لفظ کو ہم انگریزی میں Ambigous سے تعبیر کر سکتے ہیں، لغت میں اس کے معنی ہیں:

''ایسا لفظ جس کے ممکنہ طور پر ایک سے زائد معانی ہوں، اس سے بعض صورتوں میں ابہام بھی پیدا ہوتا ہے''---

نیز فرمایا:

مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ یَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَیْنَا وَ اسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَیًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِی الدِّیْنِ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ ۙ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝--- [النسآء،۴:۴۶]

''یہودیوں میں سے کچھ لوگ اللہ کے کلمات کو ان کی جگہوں سے پھیر دیتے ہیں

اور کہتے ہیں: ہم نے سنا اور نافرمانی کی (اور آپ سے کہتے ہیں:) سنیے! آپ نہ سنائے گئے ہوں اور اپنی زبانیں مروڑ کر دین میں طعن کرتے ہوئے رَاعِنَا کہتے ہیں اور اگر وہ کہتے: ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور آپ ہماری بات سنیں اور ہم پر نظرِ کرم فرمائیں تو یہ اُن کے لیے بہتر اور درست ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب اُن پر لعنت فرمائی ہے، سو ان میں سے کم لوگ ہی ایمان لائیں گے''---

قرآن کریم اور اَحادیثِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے لیے حُبّ کا کلمہ آیا ہے، اُس کی انتہا کو اَشَدَّ سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ---[البقرة،۲:۱۶۵]

''بعض لوگ اللہ کے غیر کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں اور اُن سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں، وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرنے والے ہیں''---

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

''بعض اولیائے کرام اور بعض متقدمین نے اللہ تعالیٰ سے اظہارِ محبت کے لیے لفظ معشوق اور مَعْشُوق استعمال کیا ہے، مگر اہلِ علم نے دو وجہ سے اسے ناپسند کیا ہے: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ توقیفی ہیں (یعنی نقل وسماع پر موقوف ہیں، عقل پر موقوف نہیں ہیں) اور دوم یہ کہ اس کا اطلاق جسمانی لذتوں میں (زیادہ) متعارف ہے''---[تفسیر امام راغب اصفہانی، ج۱، ص۴۹]

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

''اہلِ علم نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ آیا یہ کلمہ (عاشق یا معشوق) اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے بولا جا سکتا ہے''---

صوفیہ کی ایک جماعت نے کہا ہے:

''اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور انھوں نے اس بابت اثر نقل کیا ہے، لیکن ایسا اثر کہیں ثابت نہیں ہے''---

اور اُسی میں ہے، عشق کرنے والا کہے گا:

''اس نے مجھ سے عشق کیا یا میں نے اس سے عشق کیا''---

اور جمہور علماء نے کہا:

''یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں نہیں بولا جائے گا، پس یہ نہیں کہا جائے گا: وہ (فلاں سے) عشق فرماتا ہے اور یہ بھی نہیں کہا جائے گا: اُس کے بندے نے اُس سے عشق کیا''---

محدثین کی اصطلاح میں اثر قولِ صحابی کو کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ سے محبت کے حوالے سے البقرۃ: ۱۶۵، ۱۹۵، ۲۲۲، آل عمران: ۳۱، ۷۶، ۱۳۴، ۱۴۶، ۱۵۹، توبہ: ۴/۱۴ اور دیگر مقامات پر اَحَبَّ، یُحِبُّ، یُحِبُّوْنَ، حُبًّا کے الفاظ آئے ہیں، نیز حدیثِ پاک میں ہے:

''جو میری رضا کے لیے آپس میں محبت کریں، باہم مل بیٹھیں، ایک دوسرے سے ملاقات کریں اور ایک دوسرے پر مال خرچ کریں، ان کی محبت میرے ذمۂ کرم پر ہے''---[مسند احمد: ۲۲۰۳۰]

بندوں پر اللہ تعالیٰ کے جو حقوق واجب ہیں، بندہ اُن کا حق ادا نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝---[النحل، ۱۶: ۱۸]

''اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننے لگو تو تم اُن کا شمار نہ کر پاؤ گے، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے''---

حدیث پاک میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اے اللہ! میں تیری ثنا کا احاطہ نہیں کر سکتا، تیری کمالِ ثنا وہی ہے جو تو نے

خود اپنی ذات کی فرمائی''---[صحیح مسلم:۴۸٦]

علامہ ابنِ حجر ہیتمی شافعی لکھتے ہیں:

''اگر اس نے کہا: میں ایسے مقام پر پہنچ گیا کہ میں غمِ جان سے آزاد ہو گیا، یہ کہنے سے اس کی تکفیر تو نہیں کی جائے گی، لیکن وہ مُبْتَدِع ہے (اور) فریبِ نفس میں مبتلا ہے، اسی طرح اگر کہا: میں اللہ کا عاشق ہوں یا وہ مجھ سے عشق فرماتا ہے تو مبتدع ہے''---

علامہ سلیمان بن منصور شافعی لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی ذات کو عاشق اور معشوق کہنا جائز نہیں ہے، بلکہ ایسا کہنے والے کو سزا دی جائے گی (یعنی یہ ذاتِ باری تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں ہے)''---

[حَاشِیَةُ الْجُمَلْ عَلٰی شَرحِ الْمَنْهَجْ، ج ۲، ص۱۹۴]

امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا: اللہ تعالیٰ کو عاشق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس کا معشوق کہنا جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب میں لکھا:

''ناجائز ہے، کیونکہ عشق کا معنی اللہ عزوجل کے حق میں محالِ قطعی ہے اور ایسا لفظ بے وُرود ثبوتِ شرعی حضرتِ عزت کی شان میں بولنا ممنوعِ قطعی ہے، ردّالمحتار میں ہے: اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے کسی لفظ سے صرف محال معنی کا وہم بھی ممانعت کے لیے کافی ہے''---

علامہ یوسف اردبیلی شافعی اَلْاَنْوَار لِاَعْمَالِ الْاَبْرَار میں شافعی اور حنفی علماء سے نقل فرماتے ہیں:

''اگر کوئی شخص کہے: میں اللہ تعالیٰ سے عشق رکھتا ہوں اور وہ مجھ سے عشق رکھتا ہے، تو وہ بدعتی ہے، لہٰذا صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ یوں کہے: میں اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہوں اور وہ مجھ سے محبت فرماتا ہے۔ جس طرح قرآنِ کریم میں ہے:

''اللہ تعالیٰ اُن سے محبت فرمائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے''---

[المائدۃ،۵:۵۴]

اسی طرح امام ابن حجر مکی نے اِعلام میں نقل فرما کر اسے مقرر رکھا‘‘---

[فتاویٰ رضویہ، ج۲۱، ص۱۱۴ تا ۱۱۶]

مفتی محمد شریف الحق امجدی سے سوال ہوا، رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا دل بر، دل رُبا اور معشوق کہہ سکتے ہیں؟ آپ نے جواب میں لکھا:

’’اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان تینوں الفاظ: دل بر، دل رُبا اور معشوق میں سے کسی کا اطلاق صحیح نہیں ہے۔ یعنی یہ کہنا جائز نہیں کہ حضور اقدس ﷺ اللہ تعالیٰ کے دل بر یا دلِ رُبا یا معشوق ہیں، اس لیے کہ دل بر، دل رُبا کہنے میں باری تعالیٰ کے لیے ایہامِ تجسم (جسمانیت کا وہم پیدا ہوتا) ہے اور معشوق کہنے میں اثباتِ نَقص، کیونکہ عشق کا حقیقی معنی محبت کی وہ منزل ہے جس میں جنون پیدا ہو جائے‘‘---[فتاویٰ شارح بخاری، ج۱، ص۲۸۱]

مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے عاشق و معشوق کے الفاظ اور اللہ تعالیٰ کی نسبت سے رسول اللہ ﷺ کے لیے معشوق، دل بر اور دل رُبا کے الفاظ استعمال کرنا ذاتِ باری تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں ہے اور علمائے کرام نے اس سے منع فرمایا ہے۔ تاہم رسول اللہ ﷺ کے محبین کے لیے عاشق کا لفظ بکثرت استعمال ہو رہا ہے، اس کی جمع عُشّاق ہے اور ع کے فتحہ کے ساتھ عَشّاق کے معنی ہیں: ’’بہت زیادہ عشق کرنے والا‘‘، یعنی یہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ کے لیے معشوق کا لفظ کبھی نہیں سنا اور یہ لفظ آپ ﷺ کے شایانِ شان معلوم نہیں ہوتا، اس سے اجتناب بہتر ہے، حالانکہ معنوی اعتبار سے اس میں خرابی نہیں ہے، لیکن چونکہ یہ کلمہ مُبتذل ہے، سفلی جذبات کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اس لیے ہماری رائے میں رسول اللہ ﷺ کے لیے معشوق کا کلمہ استعمال کرنا مناسب نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے لیے حبیب اور محبوب کے کلمات استعمال کیے جائیں، ان میں حرمت ہے، وقار ہے، تقدیس ہے اور قرآن و حدیث میں اس کی ترغیب دی گئی ہے، بلکہ اسے ایمان کا تقاضا قرار دیا گیا ہے کہ مومن کی نظر میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی ذواتِ مقدسہ صرف محبوب نہیں، بلکہ اَحَبّ (محبوب ترین) ہونی چاہییں۔

احادیث مبارکہ میں ہے:

❶ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی أَکُوْنَ أَحَبَّ إِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ وَ النَّاسِ أَجْمَعِیْنَ---[صحیح البخاری:۱۵]

''تم میں سے کوئی شخص مومن (کامل) نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ وہ مجھے اپنے والد، اپنی اولاد اور تمام لوگوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ محبوب (اَحَبّ) نہ جانے''---

❷ عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، دراں حالے کہ وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یارسول اللہ! آپ مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، تم اُس وقت تک مومنِ کامل نہیں ہوسکتے جب تک کہ میں تمہارے لیے تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! بخدا اب آپ میرے لیے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''عمر! اب تم نے کمالِ ایمان کو پالیا''---[بخاری:۶۶۳۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے اللہ تعالیٰ کے لیے لفظِ شیدا کے اطلاق کے بارے میں مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''(اللہ تعالیٰ) کو شیدائے محمد کہنا بھی جائز نہیں کہ اس میں معنیٔ سوء کا احتمال ہے، کیونکہ شیدا کے معنی ہیں: آشفتہ، فریفتہ، مجنون، عشق میں ڈوبا ہوا، عاشق--- اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے مُنَزَّہ (پاک) ہے''---

[فتاویٰ شارح بخاری، ج۱، ص۱۴۱]

❀❀❀❀❀

دوسری قسط

مولود شریف

رضاعت سے اظہارِ نبوت تک

مولانا الطاف حسین حالی

لکھا ہے کہ اوّل حضرت کو ثویبہ نے دودھ پلایا ہے۔ یہ ابولہب کی کنیز تھیں، جب انھوں نے ولادت باسعادت کا مژدہ ابولہب کو سنایا، تو اس نے اس خوشی میں ان کو آزاد کیا اور کہا کہ میرے بھتیجے کو دودھ پلانا۔ اس وقت ابولہب کی زبانِ حال سے اس شعر کا مضمون متبادر ہوتا تھا:

دوست ہوتا جو وہ، تو کیا ہوتا
دشمنی پر تو پیار آتا ہے

اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے سات دن اپنی والدہ ماجدہ کا دودھ پیا اور چند روز ثویبہ کا، بہرحال اُن کے بعد حلیمہ سعدیہ شرفِ دائیگی سے ممتاز ہوئیں۔ حلیمہ رضی اللہ عنہا قبیلہ بنی سعد بن بکر سے تھیں، جیسی ان کی نیک خصلتیں مشہور و معروف تھیں، اسی طرح ان کا قبیلہ فصاحت و بلاغت میں ضرب المثل تھا۔ حضرت فرماتے ہیں:

''میں افصح عرب ہوں، قریش میں پیدا ہوا اور بنی سعد میں دودھ پیا''---

حلیمہ کہتی ہیں کہ ایک سال قحط تھا، بنی سعد کے قافلے کے ساتھ میرا آنا مکہ میں ہوا۔ میرے ہمراہ خاوند اور ایک بچہ شیر خوار تھا اور ایک مادۂ خر نہایت دبلی کہ ناتوانی سے چل نہ سکتی تھی اور ایک اونٹنی، جس کے تھنوں میں دودھ کی ایک بوند نہ تھی اور معاش کی تنگی بہت تھی، ارادہ یہ تھا کہ مکے میں بچوں کے دودھ پلانے کی نوکری کریں گے، سختی کے دن کاٹیں گے اور عورتیں، جو ہمارے قافلے میں تھیں، انھوں نے لوگوں کے بچے دودھ پلانے کو لے لیے مگر حضرت کو یتیم سمجھ کر کوئی نہ لیتی تھی۔ ایک میں باقی رہ گئی تھی، میں نے خاوند سے کہا:

''واللہ! میں یہاں سے ناکام نہ پھروں گی، اسی یتیم بچے کو لے آتی ہوں''---

یہ کہہ کر آپ ﷺ کے گھر چلی گئیں۔ دیکھا کہ حضرت کو ایک بہت اُجلے کپڑے میں لپیٹ رکھا ہے اور حریر سبز کا بچھونا ہے اور مشک کی خوشبو متصل چلی آتی ہے اور آپ ﷺ چت پڑے ہیں۔ میں نے جگانا مصلحت نہ جانا، لیکن وہ چاند سی صورت دیکھتے ہی سو جان سے قربان ہو گئی۔ آہستہ آہستہ پاس جا کر سینہ مبارک پر ہاتھ رکھا، آپ نے مسکرا کر آنکھیں کھول دیں اور میری طرف دیکھا۔ اس وقت ایک نور تھا کہ چشم مبارک سے نکلا اور آسمان تک پہنچا۔ میں نے ان آنکھوں کو چوم لیا اور آپ کو گود میں لے کر داہنی طرف سے دودھ پلانے لگی۔ پھر ارادہ کیا کہ بائیں طرف سے بھی پلاؤں، دودھ پینا تو کس کا، آپ نے چھاتی تک منہ میں نہ لی۔

رضاعت، بچپن --- برکت ہی برکت

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عدالت اور حق شناسی حضرت کی سرشت میں پیدا کی تھی، کہ عہد شیر خواری میں جانب انصاف ہاتھ سے نہ دیا اور اپنے کو کہ [ا] کے حق میں دست اندازی نہ کی۔

حلیمہ کہتی ہیں کہ ہمیشہ اسی طرح ایک جانب اپنے رضاعی بھائی کے واسطے چھوڑ دیتے تھے۔ پھر میں آپ کو اپنے مکان پر لے آئی اور اپنے شوہر کو دکھایا، وہ بھی دیکھتے ہی عاشق ہو گیا۔ ناگاہ اونٹنی کو جو دیکھا تو اس کی چھاتیاں دودھ سے مالا مال تھیں۔ میرے شوہر نے اس کا دودھ دُوہ کر آپ بھی پیا اور ہم کو بھی پلایا، یہاں تک کہ ہم خوب سیر ہو گئے۔ پہلے بھوکوں کے مارے

نیند نہ آتی تھی، اس دن خیر و برکت کے ساتھ سوئے۔ میرا شوہر کہتا تھا:

''اے حلیمہ! یہ مولود سراپا تم کو مبارک ہو کہ اس کے آتے ہی ہمارا گھر برکت سے بھر گیا اور مجھے اُمید ہے کہ یہ برکت ہمارے گھر سے کبھی نہ جائے گی'' ---

حلیمہ کہتی ہیں، آپ ﷺ کو مکے میں چند راتیں میرے پاس گزریں، ایک رات دیکھتی کیا ہوں کہ ایک نور آپ کے گرد محیط ہے اور کوئی شخص سبز لباس پہنے آپ کے سرہانے کھڑا ہے۔ میں نے خاوند کو جگایا، اس نے جونہی آنکھ کھول کر دیکھا، مجھ سے کہنے لگا۔ حلیمہ! کسی کے آگے اس بات کا ذکر نہ کرنا، تو نہیں جانتی کہ جب سے یہ لڑکا پیدا ہوا ہے، احبارِ یہود کی جان پر بن رہی ہے، زندگی تلخ ہے، آرام چین بالکل نہیں۔ جب میں نے یہ سنا فی الفور اہلِ مکہ سے رخصت ہوئی اور آمنہ کو بھی خدا کو سونپا اور اپنے دراز گوش پر سوار ہوئی اور حضرت کو آگے بٹھالیا۔ وہ مرکبِ زار و نزار جو ایک قدم مشکل سے چلتا تھا، اس کی چالاکی کا حال کیا کہوں؟ وہ تبختر اور اترانا قابلِ دید تھا۔ قافلے میں کسی کی سواری اس کو نہ پہنچتی تھی، سب سے آگے رہتا تھا، لوگوں کو حیرت تھی، ایک ایک عورت مجھ سے پوچھتی، اے بنت ابی ذویب! یہ وہی دراز گوش نہیں، جس پر تو سوار ہو کر ہمارے ساتھ آئی تھی؟ یا تو اس کا وہ حال تھا کہ دو قدم اچھی طرح نہ چل سکتا تھا، کبھی تو اس پر سے گرتی تھی، کبھی سوار ہوتی تھی، اب یہ چالاکیاں کہاں سے آئیں؟ میں کہتی دیکھ لو، یہ وہی دراز گوش ہے، اللہ جل شانہ نے اس بچے کی بدولت یہ قوت اور رفتار اس میں پیدا کر دی۔ وہ کہتیں، اللہ! اس جانور کا بڑا رتبہ ہے۔ معاً دراز گوش کی آواز میرے کان میں آئی۔ ہاں! بے شک میرا بڑا رتبہ ہے، دُبلا تھا موٹا ہوا، مردہ تھا زندہ ہوا، اے بنی سعد کی عورتو! تمہیں کیا ہو گیا، اب تک تم نے نہیں پہچانا کہ میری پشت پر کون شخص سوار ہے۔ سید المرسلین، خیر الاوّلین و الآخرین، حبیب ربّ العالمین:

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد   وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

یَا رَبِّ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلٰی نَبِیِّکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

حلیمہ کہتی ہیں کہ راہ میں داہنے بائیں مجھ کو یہ آواز آتی تھی:

"اے حلیمہ! تو غنی ہوئی اور بنی سعد کی عورتوں میں تجھ کو بزرگی حاصل ہوئی اور جب رستے میں کوئی بکریوں کا ریوڑ ملتا تو ساری بکریاں ہمارے پاس چلی آتیں اور کہتیں، اے حلیمہ! تجھ کو کچھ خبر بھی ہے، تیرا رضیع محمد ﷺ پروردگارِ آسمان وزمین کا رسول ہے اور بہترین فرزندانِ آدم ہے"---

ہم جس سرزمین میں پہنچتے تھے، اللہ تعالیٰ اس کو تر و تازہ اور سرسبز و شاداب کر دیتا تھا۔ یہ آپ ہی کا طفیل، تھا ورنہ اس خشک سالی میں سرسبزی و شادابی کیسی؟ جب ہم اپنے گھر پہنچے تو دیکھا کہ میری بکریاں روز جنگل کو جاتی ہیں اور شام کے وقت سیراب اور دودھ سے مالامال ہو کر آتی ہیں۔ ہم ان کو دوہتے اور دودھ پیتے۔قوم کے لوگ چرواہوں سے کہتے ہماری بکریاں بھی اسی جنگل میں کیوں نہیں لے جاتے جہاں بنت ابی ذویب کی بکریاں چرتی ہیں، وہ کیا جانیں کہ یہ خیر و برکت بنت ابی ذویب کے گھر میں کہاں سے آئی ہے:

کوئی نہیں کہتا کہ یہ کس کا ہے کرشمہ
اک شور ہے عیسیٰ کے دم روح فزا کا

بارے پھر ان کی بکریاں بھی اسی جنگل میں جانے لگیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے مال میں بھی برکت دی۔غرضیکہ جب تک آپ ﷺ ہمارے قبیلہ میں رہے، طرح طرح کی خیر و برکت ہمارے شامل حال رہے۔ جب حضرت کے بولنے کے دن آئے، تو میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ آپ کہتے ہیں:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ o اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ o وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلاً o---[۲]

اور آدھی رات گئے یہ سنا:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قُدُّوْسًا قُدُّوْسًا نَامَتِ الْعُیُوْنُ وَ الرَّحْمٰنُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوْمٌ---[۳]

آپ کا جہان کے بچوں کی طرح کپڑوں میں پیشاب یا پاخانہ کبھی نہ نکلا، بول و براز کا ایک وقت معین تھا، اس میں کبھی فرق نہ آتا تھا۔ میں اگر دہن مبارک دودھ کی آلائش سے

پاک کرنا چاہتی تو غیب سے کوئی مجھ پر سبقت کرتا۔ کبھی آپ کا ستر کھل جاتا تو فریاد کرتے اور شور مچاتے، فوراً ڈھانپ دیتی اور میں دیر لگاتی تو کوئی غیب سے ڈھانپ دیتا۔ جب پاؤں چلنے لگے تو بچوں کو کھیلنے سے منع فرماتے اور ان سے دُور دُور رہتے اور ان کو سمجھاتے کہ ہم کھیلنے کے لیے نہیں پیدا ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نشو ونما کا حال زمانہ کے بچوں کا سا نہ تھا، جتنا اور بچہ ایک مہینے میں بڑھے، آپ ایک دن میں بڑھتے تھے، لوگوں کے بچوں کی طرح رونا آپ کا شیوہ نہ تھا۔ ہر کام داہنی طرف سے شروع کرتے، جس چیز پر ہاتھ ڈالتے اوّل بسم اللہ کہہ لیتے، جب تک آپ پورے دو برس کے نہ ہوئے، میں نے آپ کی ہیبت سے شوہر کو بھی اپنے پاس پھٹکنے نہ دیا۔ میں آپ کو کسی دم، کسی ساعت آنکھوں سے جدا نہ ہونے دیتی تھی، ایک روز اتفاقاً غافل ہوگئی، حضرت اپنی رضاعی بہن شیماء کے ساتھ گرمی کی شدت میں باہر چلے گئے، جونہی مجھ کو خبر ہوئی، سراسیمہ ہو کر ڈھونڈنے نکلی، آپ کو شیماء کے ساتھ پایا۔ میں نے شیماء سے کہا کہ اس کو گرمی کی شدت میں باہر کیوں لے آئی؟ وہ بولی، کیسی گرمی، کس کی دھوپ؟ میں نے اچھی طرح دیکھا کہ ایک بدلی اس کے سر پر سایہ کیے ہوئے تھی۔ جہاں یہ جاتا تھا بدلی بھی ساتھ ساتھ جاتی تھی۔

شق صدر

حلیمہ کہتی ہیں کہ ایک دن آپ نے کہا، اماں! مجھ کو بھی بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے بھیجا کرو، میں اسی بہانہ سے پھرا آیا کروں گا اور بکریاں بھی چراؤں گا۔ میں نے بالوں میں کنگھی کی، آنکھوں میں سرمہ لگایا، کپڑے پہنائے، ایک گلوبند جزع یمانی[۴] کا واسطے دفع چشم زخم کے گلے میں باندھنے لگی، آپ نے کھول کر پھینک دیا اور فرمایا، میرا رب میرا نگہبان ہے۔ یہ کہہ کر اپنے بھائیوں کے ساتھ ساتھ بکریاں چرانے چلے گئے۔ جب دوپہر ہوئی تو دیکھتی کیا ہوں کہ میرا بیٹا حمزہ روتا چلا آتا ہے کہ یَا اُمَّاہُ یَا اَبَتَاہُ محمد کی خبر لو، پوچھا، بیٹا! خیر ہے؟ کہا، ہم ایک جگہ بیٹھے تھے، ناگاہ ایک شخص آیا اور اس کو اٹھا کر پہاڑ پر لے گیا اور وہاں لے جا کر پیٹ چاک کیا۔ آگے نہیں معلوم کہ اس پر کیا گزری۔ میں اور میرا شوہر یہ سنتے ہی دوڑے۔ پہاڑ پر پہنچے، دیکھا کہ آپ چین سے بیٹھے آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔

ہم کو جو دیکھا، مسکرانے لگے، ہم نے پیار کیا، گلے لگایا، حال پوچھا، کہا، میں بھائیوں کے پاس بیٹھا تھا، ناگاہ تین شخص پیدا ہوئے، ان کے پاس ایک طشت طلائی، اس میں برف بھری ہوئی، آئے اور مجھے اُٹھا کر پہاڑ پر لے گئے، ان میں سے ایک شخص نے اٹھ کر مجھے زمین پر لٹایا اور مفرق سینہ [۵] سے منتہائے عانہ [٦] تک میرا پیٹ چاک کیا، لیکن مجھ کو اصلاً تکلیف نہیں ہوئی۔ پھر اس نے احشاء [۷] باہر نکالے اور اس برف سے خوب دھو کر جہاں سے نکالے تھے، وہیں رکھ دیے۔ پھر دوسرے شخص نے اٹھ کر اس پہلے آدمی کو ہٹا دیا اور میرے پہلو سے دل نکالا اور اسے چیر کر ایک مضغہ سیاہ نکال کر پھینک دیا اور مجھ سے کہا، یہ حصہ شیطان کا تھا۔ اور کچھ اس کے ہاتھ میں تھا، اس سے میرا دل معمور کر دیا۔ ایک راویت میں آیا ہے کہ وہ نورِ سکینہ تھا۔ پھر ایک خاتم نورانی سے، جس کے دیکھنے سے نگاہ خیرہ ہوتی تھی، میرے دل پر مہر لگا دی۔ معاً دل جو دیکھتا ہوں تو نورِ حکمت سے معمور ہے، پھر دل اسی جگہ رکھ دیا۔ اس مہر کی خنکی اور خوشی اب تک میری رگ و پے سے نہیں گئی۔ پھر تیسرے نے اٹھ کر شگافِ زخم پر ہاتھ پھیرا، وہ بالکل برابر ہو گیا۔ پھر آہستہ مجھے اٹھا کر اپنی چھاتی پر لٹایا اور میرے سر اور آنکھوں کو بوسہ دیا اور کہا، کچھ ڈرنے کی بات نہیں، اگر تو اس راز سے واقف ہو تو تیری آنکھیں ٹھنڈی اور دل باغ باغ ہو جائے۔ بس اتنا کہہ کر آسمان کی راہ لی، میں برابر دیکھتا رہا۔

گم شدگی

حلیمہ کہتی ہیں کہ جب ہم نے یہ واقعہ سنا تو میرے شوہر کی اور سارے قوم کے لوگوں کی یہ صلاح ٹھہری کہ محمد ﷺ کو آمنہ اور عبد المطلب کے سپرد کرنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ بیگانے بچے کو کسی طرح کا آسیب پہنچے، ہمیں الزام آئے۔ میں آپ ﷺ کو ساتھ لے کر مکے کی طرف چلی، جب مکے کے قریب پہنچی آپ کو ایک جگہ بٹھا کر قضائے حاجت کے لیے تھوڑی دور چلی گئی، پھر جو آ کر دیکھتی ہوں تو آپ کا کہیں پتا نہیں۔ داہنے بائیں، ادھر اُدھر تلاش کیا، کچھ نشان نہ ملا۔ اس وقت مایوس ہو کر یہ کہہ رہی تھی۔ وَا مُحَمَّدَاہُ وَ وَالِدَاہُ:

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد [۸]

ناگاہ ایک پیر مرد عصا ہاتھ میں لیے قریب پہنچا اور کہنے لگا، اے سعدیہ! اتنی بے قرار کیوں ہے؟ میں نے کہا، محمد بن عبدالمطلب کو میں نے دودھ پلایا تھا، اب اس کی ماں کے پاس لے چلی تھی، ابھی کہیں گم ہو گیا۔ کہا، روتی کیوں ہے؟ میں تجھے ایسے کے پاس لے چلوں جس کو اس کا ٹھکانہ اور پتا نشان سب معلوم ہے اور ابھی چاہے تو میرے پاس بلا دے۔ میں نے کہا، روحی فداك جلد بتا، وہ کون شخص ہے؟ کہا، ہبلِ عالی قدر تیرے فرزند کو جانتا ہے کہ کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ جا کم بخت! کیا تو نے دیکھا نہیں، تو نے سنا بھی نہیں کہ اس فرزندِ ارجمند کی ولادت کی رات بتوں پر کیا گزری؟ سب سرنگوں ہو کر زمین پر گر پڑے۔ وہ مجھے زبردستی ہبل کے پاس لے گیا اور اس کے گرد طواف کر کے میرا قصہ عرض کیا۔ ہبل سرنگوں ہو کر گر پڑا اور سب بتوں کا یہی حال ہوا اور اُن میں سے یہ آواز آئی کہ اے شخص! دور ہو یہاں سے، ہمارے سامنے اس کا نام نہ لے، خدا اس کا نگہبان ہے، اس کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ یہ سنتے ہی میں عبدالمطلب کے پاس آئی، انھوں نے مجھے دیکھ کر تعجب سے پوچھا، اے حلیمہ! کیا حال ہے؟ اس وقت تجھ کو سراسیمہ و پریشان پاتا ہوں اور میرا محمد بھی تیرے ساتھ نہیں۔ میں نے جو حقیقت گزری تھی، بیان کی۔ عبدالمطلب سن کر کوہِ صفا پر چڑھے اور قریش کو پکارا کہ اے آلِ غالب! فوراً ساری قوم جمع ہو گئی۔ پوچھا، اے سید! خیر ہے؟ کہا، میرا بیٹا ''محمد'' گم ہو گیا ہے۔ سب لوگ ان کے ساتھ سوار ہوئے اور آپ کو تمام بلندی و پستیٔ مکہ میں ڈھونڈا، کہیں نہ پایا۔ اس وقت عبدالمطلب نے مسجد حرام میں جا کر طواف کیا اور مناجات کی۔ معاً ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ اے جماعت قریش! محمد کا خدا اس کو ضائع نہیں کرے گا۔ عبدالمطلب نے بآوازِ بلند کہا، اے منادی! بتا تو سہی وہ کہاں ہے؟ آواز آئی کہ جاؤ، وادیٔ تہامہ میں ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہے۔

سب اس طرف دوڑے گئے، راہ میں ورقہ بن نوفل ملے، وہ بھی ساتھ ہو لیے۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت ایک کیلے کے درخت کے تلے بیٹھے پتے چن رہے ہیں۔ عبدالمطلب نے کہا، لڑکے! تو کون ہے؟ فرمایا، اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِب، انھوں نے کہا، بیٹا! روحی فداك مجھے پہچانا، میں کون ہوں؟ میں تیرا دادا ہوں۔ یہ کہہ کر

آپ کو گھوڑے پر اپنے آگے بٹھا لیا اور مکے میں لے آئے اور بہت سا مال اور بہت سے اونٹ خیرات کیے اور حلیمہ کو بہت کچھ دے کر رخصت کیا۔

بعضے مفسروں نے وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى [۹] کی تفسیر میں یہ قصہ نقل کیا ہے۔

جب حلیمہ اپنے گھر چلی گئیں، امّ ایمن جو حضرت کے والد ماجد کی کنیز ہیں، آپ کی دایہ بلند پایہ ٹھہریں، وہ کہتی ہیں کہ میں نے کبھی نہ دیکھا کہ آپ نے بھوک یا پیاس کی شکایت کی ہو۔ صبح کے وقت ایک بار تھوڑا آبِ زمزم پی لیتے، پھر رات دن میں کبھی نہ مانگتے اور بارہا ایسا ہوتا تھا کہ طعامِ چاشت کے لیے آپ کو بلاتے، آپ انکار کرتے اور فرماتے، اس وقت کھانا کھانے کو میرا جی نہیں چاہتا۔

دادا جان کی کفالت

جب آنحضرت ﷺ چھ سات برس کے ہوئے تو آپ کی والدہ ماجدہ عزیزوں سے ملنے کو مدینہ منورہ جاتی تھیں۔ آپ کو اور امّ یمن کو بھی ساتھ لے گئیں۔ 'ابوا' جو مدینہ کے متصل ایک موضع ہے، وہاں پہنچ کر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی اور وہیں دفن ہوئیں۔ ان کی وفات کے بعد عبدالمطلب آپ کی تربیت اور پرورش کے متکفل ہوئے۔ حضرت ﷺ کو اپنے فرزندوں سے زیادہ عزیز رکھتے اور باوجود صغرسنی کے اعزاز و احترام بہت کرتے، بدوں آپ کے کبھی کھانا کھانے دسترخوان پر نہ بیٹھتے۔ آپ کی عادت تھی کہ خلوت و جلوت میں جب اپنے دادا کے پاس آتے، بے تکلف مسند پر بیٹھ جاتے۔ بعض لوگوں نے بپاسِ ادب چاہا کہ آپ کو مسند پر بیٹھنے سے روکیں۔ عبدالمطلب نے منع کیا اور کہا کہ یہ فرزندار جمند کچھ نہ کچھ اپنی ذات میں شرف و بزرگی پاتا ہے، جو یوں بے باکانہ دادا کی مسند پر آ بیٹھتا ہے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اس کو کوئی مرتبۂ عالی ملنے والا ہے، جو آج تک عرب میں کسی کو ملا ہے نہ ملے اور اہلِ قیافہ عبدالمطلب سے کہتے کہ اس فرزند کی نگہبانی کرو، ہم دیکھتے ہیں کہ وہ جو مقام ابراہیم میں نقشِ قدم ہے، اس سے جتنا اس کا قدم ملتا ہے آج تک کسی کا نہیں ملا۔

ایک بار قریش میں قحط عظیم پڑا اور کئی برس تک رہا، عبدالمطلب بہ اشارہ ہاتفِ غیبی آپ کو اپنے کندھے پر چڑھا کر جبلِ ابوقبیس پر لے گئے اور آپ سے دعا کروائی۔ وہ بارش ہوئی کہ

لوگ اگلی سختیاں بھول گئے۔

آخر عبدالمطلب نے ایک سودس برس کی عمر میں وفات پائی اور ابوطالب کو جو آنحضرت کے سگے چچا تھے، مرتے وقت وصیت کی کہ بیٹا! بھتیجے کی تربیت اور نگہبانی بہت اچھی طرح کرنا۔ اس وقت حضرت کی عمر شریف آٹھ برس کی تھی۔ ابوطالب کو آپ کے ساتھ نہایت لگاؤ اور تعلق خاطر تھا، بے آپ کے کھانا نہ کھاتے، آپ کو اپنے پہلو میں سلاتے، دم بھر آنکھ سے جدا نہ ہونے دیتے۔ آپ کی مدح میں شعر کہتے۔ چنانچہ یہ شعر مشہور انہیں کا ہے:

وَ شَقَّ لَـــهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِيُجِلَّـــهٗ
فَذُوا الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَ هٰذَا مُحَمَّدٌ [۱۰]

جب تک ابوطالب آپ کی نگہداشت کے کفیل رہے، عجیب عجیب واقعے پیش آئے، اُن کی تفصیل کے لیے ایک جدا کتاب چاہیے۔ سیرت کی مبسوط کتابوں میں سب مندرج ہیں، جس کو شوق ہو، وہاں دیکھے۔

شام کا تجارتی سفر

الغرض! حضرت ﷺ کو پچیسواں سال لگا، اس سال قریش کا قافلہ تجارت کے لیے شام کی طرف جانے والا تھا۔ خدیجہ بنت خویلد جو وہاں مال و دولت میں مشہور و معروف تھیں، چاہتی تھیں کہ کوئی شخص امانت دار ہو تو تجارت کا مال اس کے سپرد کیا جائے۔ حضرت کی امانت تو قریش میں ضرب المثل تھی، آپ کے پاس آدمی بھیجا کہ اگر تم شام کی طرف جاؤ اور میرا مال لے جاؤ اور اللہ تعالیٰ اس میں نفع دے تو جو کچھ تمہاری آرزو ہے، بر آئے۔ آپ ﷺ نے ابوطالب سے مشورہ لے کر یہ درخواست قبول کی۔ خدیجہ نے ایک میسرہ غلام اور دوسرا اپنا رشتہ دار خزیمہ آپ کے ساتھ کر دیے۔ جب بصریٰ میں پہنچے، آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے، وہ درخت بالکل خشک اور بے برگ و بار تھا، آپ کی برکت سے فوراً سر سبز و باردار ہو گیا۔ وہاں ایک نسطورا راہب کا صومعہ تھا، اس نے جو آپ کو دیکھا، لوگوں سے کہنے لگا کہ اس درخت کے نیچے نبی کے سوا کوئی نہیں بیٹھ سکتا۔ پھر آپ کی خدمت میں چلا آیا اور کہنے لگا، تجھ کو لات و عزیٰ کی قسم دیتا ہوں، سچ بتا تیرا نام کیا ہے؟ آپ نے نہایت آشفتہ ہو کر فرمایا:

تَکَلَتْکَ اُمُّکَ[۱۱] دور ہو میرے سامنے سے---

اس وقت نسطورا کے ہاتھ میں ایک صحیفہ تھا، اس میں دیکھتا جاتا تھا اور کہتا تھا:

''قسم ہے اس خدا کی جس نے عیسیٰ کو انجیل بھیجی، یہ وہی ہے'' ---

آپ وہاں سے خوش ہو کر شہر کے اندر تشریف لے گئے اور تجارت کا مال فروخت کیا۔ اوروں سے دوگنا نفع آپ کو ہوا اور اہلِ قافلہ کو بھی آپ کی برکت سے بڑے فائدے ہوئے، جب مراجعت فرما کر مکہ میں تشریف لائے تو اس وقت دوپہر دن آیا تھا۔ خدیجہ اور چند عورتیں بالا خانہ میں بیٹھی تھیں، آپ پر جو نگاہ پڑی تو دیکھا کہ دو جانور فرق مبارک پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔ پھر میسرہ اور خزیمہ نے راہ میں جو آپ کی کرامتیں مشاہدہ کی تھیں، وہ سب خدیجہ کے سامنے جا کر بیان کیں۔ اس بی بی کی عقل و دانش اور سمجھ بوجھ اور شرافت و بزرگی خاندان اور آسودگی و دولت مندی قریش میں مشہور تھی، اکثر اشرافِ قریش اُن کے نکاح کے آرزو مند تھے۔ بیسیوں پیغام آتے تھے لیکن یہ قبول نہ کرتی تھیں اور یہ شعر زبان حال سے پڑھتی تھیں، لراقمہ:

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب دیکھیے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں

جب کبوتروں کا سایہ کرنا حضرت پر اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کرامتیں آپ کی میسرہ اور خزیمہ سے سنیں، معاً آپ کی محبت نے دل میں گھر کیا اور شوق دم بہ دم بڑھنے لگا۔ چاہا کہ حضرت کی زوجیت سے مشرف ہوں، رات دن اسی فکر میں رہتی تھیں۔ ایک دن ایک عورت خفیہ آپ کی خدمت میں بھیجی تا کہ مرضی مبارک دریافت کرے کہ شادی کرنے کا ارادہ ہے یا نہیں؟ اس عورت نے آکر آپ سے پوچھا، صاحب شادی کیوں نہیں کرتے؟ کون سا امر مانع ہے؟ فرمایا، شادی کا سامان نہیں۔ اس نے کہا، اگر عورت خوب صورت، عالی خاندان، عقل مند، ہوشیار، صاحبِ مال و دولت ملے اور دونوں طرف کے خرچ اٹھا لے تو تو کچھ عذر نہیں؟ آپ نے فرمایا، پھر عذر کا کیا محل ہے؟ لیکن ایسا موقع ملنا دُشوار ہے۔ اس نے کہا، خدیجہ بنت خویلد کو تم جانتے ہو کہ اس میں یہ سب باتیں پائی جاتی ہیں، وہ تمہاری نہایت مشتاق ہے۔ اگر کہو تو تمہاری طرف سے پیغام لے جاؤں۔ یہ کہہ کر وہاں پہنچی اور خدیجہ کبریٰ کو حضرت ﷺ

کی طرف سے نکاح کا پیغام دیا۔ انھوں نے غنیمت سمجھا اور فوراً قبول کر لیا۔ حضرت اپنے چچا ابو طالب اور حمزہ وغیرہ اور ابو بکر اور اور رؤسائے مضر کو ہمراہ لے کر خدیجہ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ ابو طالب نے ادھر سے اور ورقہ بن نوفل اور عمرو بن اسد نے اُدھر سے خطبے نہایت فصیح و بلیغ پڑھے اور ایجاب وقبول متحقق ہوا۔ اسی روز زفاف واقع ہوا۔ آپ ﷺ اس نکاح سے نہایت خوش تھے اور ابو طالب کو بھی کمال مسرت حاصل ہوئی۔

مفسروں نے وَ وَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰی [۱۲] کی تفسیر میں یہ قصہ نقل کیا ہے، مگر یاد رہے کہ یہ صرف ظاہر کے اعتبار سے ہے، ورنہ رسولِ کریم ﷺ کی وہ شان ہے کہ کونین آپ کی نظر میں ہیچ تھا:

دانی اگر بہ معنیِ لــــــــولاك وا رسی
خود ہر چہ از حق است از آنِ محمد است [۱۳]

اظہارِ نبوت

القصہ! جب حضرت کا سنہ شریف چالیس کو پہنچا اور آفتابِ نبوت کے طالع ہونے کا وقت نزدیک آیا تو آپ نے عزلت اختیار کی۔ کوہِ حرا میں تشریف لے جاتے، عبادت اور ذکر الٰہی میں مصروف رہتے، کچھ کھانے کو بھی ہمراہ لے جاتے۔ جب وہ ہو چکتا یا خدیجۃ الکبریٰ سے ملنے کو جی چاہتا تو دولت سرا میں تشریف لاتے، پھر کئی دن کا کھانا لے کر وہیں چلے جاتے۔ ایک دن جبریل امین علیہ السلام نے بحکم الٰہی آپ کو آ کر مژدہ دیا:

''اے محمد! میں جبریل ہوں، اللہ کا بھیجا ہوا تمہارے پاس آیا ہوں، تم کو اللہ نے اپنا رسول گردانا، جن وانسان کو کلمۂ توحید کی طرف بلاؤ''---

پھر کہا، پڑھو، آپ نے فرمایا، میں اُمِّــــی ہوں [۱۴]۔ جبریل نے جس قدر آپ میں سکت دیکھی، پکڑ کر خوب بھینچا، پھر چھوڑ دیا اور پڑھنے کو پھر کہا، آپ نے وہی عذر کیا، انھوں نے پھر اسی قدر زور سے دبا دیا۔ تیسری بار جبریل نے کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ o اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ o الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ o عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ o---[۱۵]

پھر ایک لات زمین میں ماری کہ فوراً ایک چشمہ پانی کا ظاہر ہوا۔ اس سے وضو کیا، حضرت نے بھی اسی طرح وضو کیا۔ جبریل آگے بڑھے اور حضرت مقتدی ہوئے۔ جبریل نے دو رکعتیں پڑھ کر کہا، یاد رکھو! یہ طریقہ وضو اور نماز کا ہے۔ یہ کہہ کر آسمان پر چلے گئے اور حضرت مکے کی طرف پھرے۔ اس وقت دلِ حقائق منزل اس طرح لرزتا تھا، جیسے گائے ذبح ہوتے وقت کانپتی ہے۔ راہ میں درخت، پتھر جو کچھ تھا، سب میں سے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ کی آواز آتی تھی۔ آپ خدیجۃ الکبریٰ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ ---[۱۶]

انھوں نے فوراً کمبل اوڑھا دیا اور اوپر سے ٹھنڈا پانی ڈالا، معاً وہ لرزہ موقوف ہو گیا[۱۷] آپ پر جو کچھ گزرا تھا، بی بی سے بیان کیا اور فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کسی بلا میں نہ مبتلا ہو جاؤں۔ انھوں نے کہا، اُمید ہے کہ خدا تیرے ساتھ نیکی کے سوا کچھ نہ کرے گا، تو صلۂ رحم کرتا ہے، تو کنبہ کا بوجھ اٹھاتا ہے، تو اپنی محنت سے پیدا کر کے محتاجوں کو دیتا ہے، تو مصیبت اور سختی میں لوگوں کے کام آتا ہے، تو یتیموں پر مہربانی کرتا ہے، تیرا سچ بولنا مشہور و معروف ہے، تو امانت داری میں اپنا نظیر نہیں رکھتا، تو مسکینوں اور فقیروں اور عاجزوں اور بے کسوں کی خبر لیتا ہے، تو اچھا، تیری صورت اچھی، تیری سیرت اچھی، تیری آواز اچھی، تیری بات اچھی، تیرے کام اچھے، ایسے لوگ کوئی مبتلائے بلا ہوتے ہیں؟

خدیجہ کی تسلی آمیز باتوں سے حضرت فی الجملہ مطمئن ہوئے، ورقہ بن نوفل جنھوں نے رسوم جاہلیت چھوڑ کر دینِ عیسوی اختیار کیا تھا، اپنی چچیری بہن خدیجہ سے یہ حالات سن کر حضرت سے کہنے لگے، یہ وہی فرشتہ ہے جو موسیٰ پر نازل ہوتا تھا۔ اے محمد! خوش ہونے کا مقام ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی نبی ہے جس کی خبر عیسیٰ نے انجیل میں دی ہے۔ اب کوئی دن میں تجھ کو جہاد کا حکم ہونے والا ہے، کاش میں اس دن زندہ اور جوان، توانا ہوتا جس دن تجھ کو لوگ یہاں سے نکالیں گے۔ آپ نے فرمایا، ہاں! کیا مجھ کو یہاں سے نکالیں گے؟ ورقہ نے کہا، ہوتی آئی ہے کہ اللہ کے رسول خلقت کے ہاتھ سے اذیتیں اُٹھاتے ہیں، تکلیفیں پاتے ہیں، سختیاں دیکھتے ہیں، میں اگر جیتا رہا تو ضرور تیری مدد کروں گا۔ خدا کی شان ابھی حضرت دعوتِ اسلام ظاہر کرنے پائے تھے کہ ورقہ بن نوفل نے وفات پائی۔

حضرت تین برس تک خفیہ دعوتِ اسلام کرتے رہے، جب یہ آیت اتری:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ o---[۱۸]

تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علانیہ دعوت کرنی شروع کی۔ اوّل قریش نے کچھ تعرض نہ کیا، جب آپ نے فرمایا کہ بت اور بت پرست دونوں جہنم میں ڈالے جائیں گے تو لوگ یہ سن کر چونکے اور آپ کے ستانے پر کمر باندھی۔ سب نے اتفاق کرلیا کہ جو کوئی ہم میں سے مسلمان (یہاں اصل مسودہ میں کچھ عبارت رہی ہوئی معلوم ہوتی ہے [ادارہ]) چاہیے۔ اللہ جل شانہ نے ابو طالب کو آپ کا حامی و مددگار کر دیا تھا اور ایک ابولہب کے سوا کل بنی ہاشم قرابت کی جہت سے آپ ہی کا دم بھرتے تھے۔ ایک دن آنحضرت اپنے چچا ابو طالب کو ہدایت کے طور پر کچھ باتیں سمجھا رہے تھے، کفارِ قریش جمع ہو کر آئے اور ابو طالب سے آپ کو مانگنے لگے۔ انھوں نے کہا:

''کہیں اونٹنی اپنے بچے کو چھوڑ کر غیر کے بچے کی طرف جاتی سنی ہے، اگر ایسا دستور ہو تو میں بھی ''محمد'' کو تمہارے حوالے کر دوں''---

پھر چند شعر پڑھے، جن کا مضمون یہ تھا:

''واللہ کسی کی مجال نہیں جو تیری طرف بُری نگاہ سے دیکھ سکے، تو شوق سے اپنا دین ظاہر کر، کچھ ڈرنے کا مقام نہیں۔ تو جو راہ مجھے بتاتا ہے بے شک یہی راہ سیدھی ہے۔ اگر ہم چشموں کے طعن و ملامت کا خیال نہ ہوتا تو دیکھتا کہ میں کس خوشی سے یہ دین قبول کرتا''---

اس پر بھی کفار نے نہ مانا اور حضرت کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے رہے اور مسلمانوں کے ستانے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا، لیکن کہاں تک، جس کے ساتھ خدا ہو، اس سے بگاڑنے میں اپنا ہی نقصان ہوتا ہے، آخر ذلیل و خوار ہوئے۔ سچ کہا ہے:

حلمِ حق گرچہ مو ساحا کند　　چوں کہ از حد بگزرد رسوا کند

اشعار عربیہ

آیَا خَیْرَ مَبْعُوْثٍ وَّ یَا خَیْرَ عَالَمٍ　　وَ اَکْرَمَ مَوْلُوْدٍ لِّحَوَّا وَ آدَمٖ

وَ یَا خَیْرَ مَنْسُوْبٍ اِلٰی خَیْرِ مَعْشَرٍ　　وَ یَا خَیْرَ فَرْعٍ مِّنْ ذُوَاتِہٖ ھَاشِمٖ

وَ خَیْرَ مَنْ صَلّٰی وَ صَامَ لِرَبِّہٖ — وَ لَمْ یَخْشَ لِلرَّحْمٰنِ لَوْمَۃَ لَائِمٖ
وَ جَاھَدَ فِی الْکُفَّارِ حَقَّ جِھَادِہٖ — بِطَعْنٍ وَّ ضَرْبٍ بِالسُّیُوْفِ الصَّوَارِمٖ
رَسُوْلَ اللّٰہِ اُکْمِلَتْ مِدْحَتِیْ — کَنَظْمٍ مِّنَ الْمَرْجَانِ فِیْ کَفِّ نَاظِمٖ
وَ اَنْتَ الَّذِیْ نَرْجُو الشَّفَاعَۃَ عِنْدَہٗ — وَ مِثْلُکَ مَنْ یُّرْجٰی لِدَفْعِ الْعَظَائِمٖ

[۱۹]

تعلیقات و تراجم

۱......ہم شیر، ایک ماں یا آیا کا دودھ پیا بھائی، رضاعی بھائی۔

۲......اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، تمام تعریف اس اللہ کے لیے جو سارے جہاں کا پروردگار ہے، اللہ کی ذات کی پاکی ہے صبح وشام۔

۳...... پاک و برتر خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، آنکھیں سوتی ہیں جب کہ رحمٰن، نہ اس کو نیند آتی ہے اور نہ اونگھ۔

۴......پتھر مثلِ عقیقِ سلیمانی، اس میں مختلف رنگ کا جال یا لکیریں ہوتی ہیں۔

۵......سینہ کا اوپری ملا ہوا حصہ

۶......ناف سے نیچے کا مقام جہاں بال ہوتے ہیں/ پیڑو کا حصہ ختم ہونے تک

۷...... حشو کی جمع، جو کچھ دل، معدہ اور انتڑیوں کے اندر ہو

۸...... میں نے رک کر پاؤں سے کانٹا نکالنا چاہا (اور اتنے میں) محمل نظر سے پوشیدہ ہو گیا، میں ایک لمحہ کے لیے غافل ہوا اور راہ سے سو سال دور ہو گیا۔

۹......’’اور آپ کو (اپنی محبت میں) گم پایا تو منزلِ مقصود پر پہنچا دیا‘‘---[الضحٰی،۹۳:۷]

۱۰......اور ان (محمد ﷺ) کے لیے اپنے نام سے ان کا نام مشتق کیا تا کہ ان کو بزرگی عطا کرے، چنانچہ عرش والا محمود ہے اور یہ محمد ہیں۔

۱۱......تیری ماں تجھ کو روئے۔

۱۲......اور اس (اللہ) نے آپ (محمد) کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا۔[الضحٰی،۹۳:۸]

۱۳......اگر تو ’’لــولاك‘‘ کے معنی سمجھ لے تو تجھے معلوم ہوگا کہ جو کچھ خدا کا ہے وہ سب حضرت محمد ﷺ ہی کا ہے۔(لـولاك سے حدیثِ قدسی کی طرف اشارہ ہے کہ ’’اے محمد! اگر تم نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا نہ کرتا‘‘)

۱۴......حدیث پاک کے الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَا أَنَا بِقَارِئٍ---[بخاری، حدیث:۳] ''میں نہیں پڑھتا''---

(کیوں کہ حضور ﷺ مشاہدۂ ذات وصفاتِ الٰہی میں مستغرق تھے، اس لیے قراءت کی استدعا پر جبریل کو جواب دیا: ''میں نہیں پڑھتا''

اور پھر جب انھوں نے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ کہا تو آپ ﷺ متوجہ ہوئے کہ جس کی یاد میں مَیں مستغرق ہوں، یہ بھی اُسی کا ذکر کرانا چاہتے ہیں۔[ادارہ])

۱۵......اے پیغمبر! اس رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی، جس نے انسان کو وہ سب کچھ سکھایا، جو وہ نہیں جانتا تھا۔

۱۶......مجھ کو چادر اوڑھاؤ، مجھ کو چادر اوڑھاؤ۔

۱۷...... یہ لرزہ، دل کا دھڑکنا، احساسِ ذمہ داری کی بنا پر تھا کہ کہیں فرائض نبوت کی ادائی میں کوئی کمی یا کوتاہی نہ ہو جائے۔

۱۸......''آپ کو جس چیز کا حکم دیا جا رہا ہے، اُس کا اعلان کر دیں اور مشرکوں سے منہ پھیر لیں''---[الحجر،۱۵:۹۴]

۱۹......اے پیغمبری سے آراستہ خیر المبعوث اور اے عالم موجود کے خیر الوجود اور اے آدم وحوا کی اولاد میں سے سب سے شریف اور اے عمدہ ترین لوگوں کی طرف عمدہ ترین انداز میں نسبت کیے گئے اور اے بنو ہاشم کی اولاد میں سب سے عمدہ شاخ اور اے جس نے اپنے رب کے لیے نماز و روزہ کیا، اُن میں سب سے بہتر اور جس نے خدا سے ڈرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو قبول نہ کیا اور جس نے کفار کے ساتھ جہاد کرنے میں جہاد کا حق ادا کر دیا، تیز تلواروں کے ضرب اور نوک سے۔ اور اے رسول اللہ! آپ نے میری مدح کو کمال تک پہنچا دیا، جس طریقے سے پرونے والے کی مٹھی میں مونگے کا ہار ہوتا ہے۔ تیری ذات وہ ذات ہے کہ جس سے ہم شفاعت کی اُمید لگائے ہیں اور اتنا ہی آپ سے بڑے بڑے مشکلات کے دفع کرنے کی لوگ امید لگائے بیٹھے ہیں۔

[باقی آئندہ]

گیارہویں شریف

صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

ماہِ ربیع الآخر کی گیارہویں تاریخ بلکہ ہر مہینہ کی گیارہویں کو حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی فاتحہ دلائی جاتی ہے، یہ بھی ایصالِ ثواب کی ایک صورت ہے۔ بلکہ غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کی جب کبھی فاتحہ ہوتی ہے، کسی تاریخ میں ہو، عوام اسے گیارہویں کی فاتحہ بولتے ہیں۔

ایصالِ ثواب یعنی قرآن مجید یا درود شریف یا کلمہ طیبہ یا کسی نیک عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچانا جائز ہے۔ عبادتِ مالیہ یا بدنیہ، فرض و نفل سب کا ثواب دوسروں کو پہنچایا جا سکتا ہے، زندوں کے ایصالِ ثواب سے مُردوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ کتبِ فقہ و عقائد میں اس کی تصریح مذکور ہے، ہدایہ [۱] اور شرح عقائد نسفی [۲] میں اس کا بیان موجود ہے، اس کو بدعت کہنا ہٹ دھرمی ہے۔ حدیث سے بھی اس کا جائز ہونا ثابت ہے۔

حوالہ جات

۱...... انظر: الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ج۱، ص۱۷۸

۲...... انظر: شرح العقائد النسفية، مبحث دعاء الأحياء للاموات ...... الخ، ص۱۷۲

[بہارشریعت، المدینۃ العلمیۃ کراچی، ج۳، حصہ۱۶، ص۶۴۴ و ۶۴۲]

قسم کی اقسام اور احکام

مفتی محمد صدیق ہزاروی

قسم کا بنیادی مقصد کسی بات کی تاکید اور اس کی اہمیت کا اظہار ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر قسم کا ذکر ملتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

''(اے محبوب) آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے جھگڑوں میں آپ کو حاکم تسلیم نہ کر لیں'' ---[النساء، ۴:۶۵]

اس مختصر مضمون میں ہم نے شرعی اور غیر شرعی قسموں کا جائزہ لینا ہے اور قسموں کے احکام بیان کرنا ہیں، تاکہ اس اہم مسئلہ کے خدوخال سے آگاہی ہو سکے۔

قسم کی اقسام

❶......غیر شرعی قسم ❷......شرعی قسم

غیر شرعی قسم

غیر شرعی قسم کا مطلب یہ ہے کہ اس قسم کو شریعتِ اسلامیہ میں معتبر نہیں مانا گیا اور اس قِسم کی قسم کھانے والا گنہگار ہوتا ہے۔ یہ قسم (غیر شرعی) اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے علاوہ کسی نام سے قسم کھانا ہے۔ مثلاً کسی کا اپنے باپ یا ماں کے نام کی قسم کھانا، کسی کی جان،

عزت و آبرو، دیانت و امانت، کعبۃ اللہ، رسول اللہ ﷺ، قرآنِ پاک وغیرہ کی قسم کھانا جائز نہیں اور ایسا کرنے والا گنہگار ہوتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں باپ اور دادا (کے ناموں) کی قسم کھانے سے منع فرمایا، پس جب کسی نے قسم کھانی ہو تو وہ اللہ کے نام کی قسم کھائے ورنہ خاموش ہو جائے''---[صحیح بخاری، حدیث:۶۶۴۶]

دوسری حدیث میں یوں فرمایا:

''جو شخص قسم کھانا چاہے وہ صرف اللہ کے نام کی قسم کھائے یا خاموش رہے''---

شرعی قسم

قسم کی دوسری صورت ''شرعی قسم'' کہلاتی ہے۔ شرعی قسم کا مطلب یہ نہیں کہ یہ قسم مطلقاً جائز ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قسم پر شرعی احکام جاری ہوتے ہیں۔

شرعی قسم وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی صفات کا ذکر ہوتا ہے۔ مثلاً مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم، مجھے رحمٰن کی قسم، مجھے رحیم کی قسم۔

یہ بھی یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی جن صفات کے ساتھ قسم کھانا عرفِ عام میں معروف نہیں ہے، مثلاً ''اللہ تعالیٰ کے علم کی قسم'' وغیرہ تو ایسی صفاتِ خداوندی کے ساتھ قسم کھانا بھی شرعی قسم نہیں ہے۔ بطورِ خلاصہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ''غیرِ خدا کے نام کے ساتھ قسم کھائی جائے تو اس سے گناہ ہوتا ہے، لیکن دوسرے احکام نافذ نہیں ہوتے۔ البتہ اللہ کے نام سے قسم کھائی جائے تو یہ قسم شریعتِ مطہرہ میں معتبر ہوتی ہے۔

شرعی قسم کی اقسام

شرعی قسم کو تین صورتوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

❶......یمینِ لغو ❷......یمینِ غموس ❸......یمینِ منعقدہ

نوٹ: قسم کے لیے عربی میں یمین کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔

❶...... یمین لغو

یمینِ لغو کا مطلب یہ ہے کہ گزشتہ بات کے بارے میں آدمی قسم کھاتا ہے اور وہ اپنی طرف سے اس بات کو اسی طرح سمجھتا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ مثلاً اس کا

خیال ہے کہ فلاں شخص کراچی سے آ گیا ہے، وہ یہ بات قسم کھا کر کہتا ہے، لیکن بعد میں پتا چلتا ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ چونکہ اس شخص نے جان بوجھ کر جھوٹی قسم نہیں کھائی، لہٰذا بارگاہِ خداوندی سے امید کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے گا۔

2...... یمین غموس

یمینِ غموس جھوٹی قسم ہوتی ہے۔ عربی میں ''غمس'' غوطہ لگانے کو کہتے ہیں۔ یمینِ غموس وہ قسم ہے کہ ایسی قسم کھانے والا گویا گناہوں کے سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ گزشتہ واقعہ پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا، مثلاً ہمیں معلوم ہو کہ فلاں شخص نہیں آیا لیکن اس کے باوجود قسم کھائی جائے کہ وہ آیا ہے۔ ہمیں معلوم ہے ہم نے ایک چیز دس روپے میں خریدی ہے، لیکن قسم کھا کر کہا جائے کہ یہ پندرہ روپے میں خریدی ہے۔

اس قسم پر گناہ ہے، کفارہ لازم نہیں۔ لہٰذا اگر کبھی ایسا ہو جائے تو فوراً توبہ کی جائے۔

جھوٹی قسم کا گناہ

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص جھوٹی قسم کھاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کرے گا''---

عام طور پر سودا بیچنے کے لیے جھوٹی قسم کھائی جاتی ہے۔ خریدار، دکان دار پر اعتماد کر کے سودا لے لیتا ہے، لیکن یہ رقم بے برکت ہوتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جھوٹی قسم سے سودا تو بک جاتا ہے لیکن برکت اُٹھ جاتی ہے''---

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تین قسم کے لوگوں سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کلام نہیں فرمائے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے''---

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ لوگ تو خسارے میں ہیں اور نامراد ہیں۔ وہ کون ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''(تکبر کے ساتھ) کپڑا لٹکانے والا، (شلوار وغیرہ کو قدموں پر ڈالنے والا)، احسان جتانے والا اور جھوٹی قسم کھانے کے ذریعے اپنا سامان بیچنے والا''---

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

’’اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، ماں باپ کی نافرمانی، کسی کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہیں‘‘---

جس طرح سودا بیچنے والا جھوٹی قسم کے ذریعے سودا بیچتا ہے، اسی طرح بعض اوقات عدالت میں جھوٹی قسم کھا کر دوسرے شخص کا مال (حق) ناحق لے لیا جاتا ہے۔ اگرچہ دنیا میں یہ مال، زمین کا کوئی دوسرا سامان تو مل گیا لیکن حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ایسے لوگوں کے بارے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’جو شخص قسم کے ذریعے کسی مسلمان کا حق مارتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جہنم واجب کردی اور اس پر جنت کو حرام کردیا‘‘---

3...... یمین منعقدہ

قسم کی تیسری صورت کو یمینِ منعقدہ کہتے ہیں۔ یہ قسم مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے سے متعلق ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص قسم کھاتا ہے کہ فلاں آدمی کے گھر نہیں جائے گا یا یہ قسم کھاتا ہے کہ فلاں کام ضرور کرے گا، تو اس کو قسم منعقدہ کہتے ہیں۔ اسے پورا نہ کرنے کی صورت میں کفارہ لازم آتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ اگر کسی نیک کام سے رکنے کی قسم کھائی جائے، مثلاً یہ کہ وہ دو مسلمان بھائیوں کے درمیان صلح نہیں کرائے گا یا نماز نہیں پڑھے گا یا رشتہ داروں سے تعلق قائم نہیں رکھے گا، تو ایسی صورت میں قسم توڑ کر اس نیکی کے عمل کو بجالانا اور اس کا کفارہ ادا کرنا ضروری ہے۔

اگر اچھا کام کرنے یا بُرے کام سے رکنے کی قسم کھائی، جیسے ایک آدمی کہتا ہے کہ اللہ کی قسم میں نماز پڑھوں گا، یا اللہ کی قسم میں سود نہیں کھاؤں گا، تو اس قسم کو پورا کرنا ضروری ہے۔

ایسے کام سے متعلق قسم کھائی جس کا کرنا اور نہ کرنا دونوں ضروری نہیں، تو اس صورت میں قسم کو توڑنا نہیں چاہیے اور اگر توڑ دی تو کفارہ ادا کرنا ضروری ہے۔

بعض اوقات کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دیا جاتا، جیسے کوئی شخص کہتا ہے کہ یہ کھانا مجھ پر حرام ہے، تو وہ کھانا حرام نہیں ہوگا اور یہ قسم ہوگی، لہٰذا وہ کھانا کھائے اور قسم کا کفارہ ادا کرے۔

قسم کا کفارہ

قسم کا کفارہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے: غلام آزاد کرنا، یا دس مسکینوں کو دو وقت

کھانا کھلانا، یا دس مسکینوں کو لباس دینا۔

آج کل غلامی کا سلسلہ نہیں ہے، لہٰذا کھانا کھلائے یا کپڑے پہنائے جائیں اور اگر ان دونوں کاموں کی طاقت نہ ہو تو مسلسل تین روزے رکھے، درمیان میں ناغہ نہ ہو۔

یوں تو قسم کے احکامات بہت زیادہ ہیں لیکن ہم نے یہاں ایک بنیادی اجمالی خاکہ بیان کیا ہے، تاکہ اس مختصر مضمون کے ذریعے مسلمان بھائیوں کو کچھ ضروری علم حاصل ہو جائے۔

خلاصۂ کلام

بطورِ خلاصہ یہ بات پیشِ نظر رہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا کسی چیز کی قسم کھانا گناہ ہے، چاہے سچی قسم ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص لات وعزیٰ (دو بتوں کے نام) کی قسم کھائے، وہ فوراً کلمہ طیبہ پڑھے اور جو شخص کہے، آؤ! جوا کھیلیں، تو وہ صدقہ کرے'' --- [بخاری، حدیث ۶۶۵۰]

اللہ تعالیٰ کے نام سے بھی جھوٹی قسم کھانا سخت گناہ ہے اور اس طرح حاصل کی ہوئی دولت بے برکت ہوتی ہے اور اس کی سزا جہنم ہے۔

اگر مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی جائے تو اسے توڑنے کی صورت میں کفارہ دینا لازم ہوتا ہے۔ اگر کسی نیکی سے رکنے کی قسم ہو تو اسے توڑنا اور کفارہ دینا ضروری ہوگا، ورنہ قسم کو توڑنے سے بچنا چاہیے۔

قسم توڑنے سے بچنے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اپنی قسموں کی حفاظت کرو'' --- [المائدۃ، ۸۹:۵]

اور یہ بھی فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے نام کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ تم نیکی نہیں کرو گے یا انصاف نہیں کرو گے یا لوگوں میں صلح نہیں کراؤ گے'' --- [البقرۃ، ۲۲۴:۲]

(بلکہ نیکی، انصاف کی راہ اختیار کرو اور قسم کا کفارہ ادا کرو)

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی بارگاہ میں عرض ہے کہ ہمیں شریعتِ اسلامیہ کی تعلیمات کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

❁❁❁❁❁

نقشہ اوقاتِ نماز برائے بصیرپور شریف ومضافات---ماہ اکتوبر

تاریخ	صبح صادق، ابتدائے فجر وختم سحری	طلوعِ آفتاب، انتہائے فجر	ضحوۂ کبریٰ	ابتداء وقتِ ظہر	اخیر مثلِ اوّل	اخیر مثلِ دوم آغاز وقتِ عصر	غروبِ آفتاب (افطار) وقتِ مغرب	ابتداء وقتِ عشاء
-	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا
1	4:37:17	5:57:00	11:13:59	11:54:26	3:18:55	4:10:58	5:52:26	7:09:34
2	4:37:54	5:57:36	11:13:40	11:54:07	3:18:07	4:09:55	5:51:12	7:08:19
3	4:38:31	5:58:12	11:13:22	11:53:48	3:17:18	4:08:53	5:49:58	7:07:05
4	4:39:08	5:58:48	11:13:04	11:53:30	3:16:29	4:07:50	5:48:44	7:05:51
5	4:39:45	5:59:24	11:12:46	11:53:11	3:15:41	4:06:47	5:47:31	7:04:39
6	4:40:22	6:00:01	11:12:28	11:52:53	3:14:52	4:05:45	5:46:19	7:03:27
7	4:40:59	6:00:38	11:12:10	11:52:36	3:14:03	4:04:43	5:45:06	7:02:16
8	4:41:36	6:01:15	11:11:53	11:52:18	3:13:14	4:03:41	5:43:55	7:01:05
9	4:42:12	6:01:53	11:11:35	11:52:01	3:12:26	4:02:39	5:42:44	6:59:56
10	4:42:49	6:02:31	11:11:19	11:51:45	3:11:37	4:01:37	5:41:33	6:58:47
11	4:43:26	6:03:09	11:11:02	11:51:29	3:10:48	4:00:36	5:40:23	6:57:40
12	4:44:03	6:03:48	11:10:46	11:51:14	3:10:00	3:59:35	5:39:14	6:56:33
13	4:44:40	6:04:26	11:10:30	11:50:59	3:09:12	3:58:34	5:38:05	6:55:27
14	4:45:17	6:05:06	11:10:14	11:50:45	3:08:24	3:57:34	5:36:57	6:54:22
15	4:45:54	6:05:45	11:09:59	11:50:31	3:07:37	3:56:34	5:35:49	6:53:18
16	4:46:31	6:06:25	11:09:45	11:50:18	3:06:49	3:55:35	5:34:43	6:52:15
17	4:47:08	6:07:06	11:09:30	11:50:05	3:06:02	3:54:36	5:33:37	6:51:14
18	4:47:46	6:07:47	11:09:16	11:49:53	3:05:16	3:53:38	5:32:32	6:50:13
19	4:48:24	6:08:28	11:09:03	11:49:41	3:04:30	3:52:40	5:31:28	6:49:13
20	4:49:01	6:09:09	11:08:50	11:49:30	3:03:44	3:51:43	5:30:25	6:48:15
21	4:49:39	6:09:51	11:08:38	11:49:20	3:02:59	3:50:47	5:29:22	6:47:17
22	4:50:18	6:10:34	11:08:27	11:49:11	3:02:14	3:49:51	5:28:21	6:46:21
23	4:50:56	6:11:17	11:08:16	11:49:02	3:01:30	3:48:56	5:27:20	6:45:26
24	4:51:35	6:12:00	11:08:05	11:48:53	3:00:46	3:48:02	5:26:20	6:44:32
25	4:52:13	6:12:44	11:07:55	11:48:46	3:00:04	3:47:08	5:25:22	6:43:40
26	4:52:52	6:13:28	11:07:46	11:48:39	2:59:21	3:46:15	5:24:24	6:42:48
27	4:53:32	6:14:13	11:07:37	11:48:33	2:58:40	3:45:24	5:23:28	6:41:58
28	4:54:11	6:14:58	11:07:29	11:48:27	2:57:59	3:44:32	5:22:33	6:41:10
29	4:54:51	6:15:43	11:07:22	11:48:23	2:57:19	3:43:42	5:21:38	6:40:22
30	4:55:31	6:16:29	11:07:15	11:48:19	2:56:39	3:42:53	5:20:45	6:39:36
31	4:56:11	6:17:15	11:07:10	11:48:16	2:56:01	3:42:05	5:19:53	6:38:52

● ...... گھڑیاں درست رکھیں

آپ کے لیے صدقۂ جاریہ اور دنیا و آخرت

کی بھلائی کا ذریعہ بنیں گی۔ ان شاء المولیٰ تعالیٰ

نوٹ: عطیات کی رقم براہ راست بھجوائیں

(صاحب زادہ) محمد محبّ اللہ نوری

مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف ضلع اوکاڑا

موبائل نمبر: 0300-4321088, 0345-7526622, 0306-5696666

Book No. 36 Serial No. 10
Oct-2024
Monthly "NOOR-UL-HABIB" Basirpur
Regd No. PS / CPL - 25
ISSN
1993-4238

مسلّم ہے زمانے بھر میں عظمت غوثِ اعظم کی
قلوبِ اولیاء میں ہے عقیدت غوثِ اعظم کی

جمالِ سرورِ کونین ﷺ ، صورت غوثِ اعظم کی
ہے عکسِ سیرتِ سرکار ﷺ ، سیرت غوثِ اعظم کی

رسول اللہ ﷺ کی الفت ہے ، الفت غوثِ اعظم کی
بہارِ خلدِ ایماں ہے محبت غوثِ اعظم کی

لعابِ مصطفیٰ ﷺ و مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فیضِ حکمت سے
ہوئی دو آتشہ علمی ثقاہت غوثِ اعظم کی

اکابر اولیا نے دی بشارت ان کے آنے کی
سبھی اہلِ صفا کرتے ہیں مدحت غوثِ اعظم کی

قدم لاریب ان کا اولیا کی گردنوں پر ہے
تعالیٰ اللہ یہ حشمت ، یہ سطوت غوثِ اعظم کی

مریدوں کے لیے مژدہ دیا حضرت نے جنت کا
یہ رب کی بارگہ میں ہے وجاہت غوثِ اعظم کی

"مُرِیْدِیْ لَا تَخَفْ اَللّٰہُ رَبِّیْ" سے یہ ظاہر ہے
مریدوں کے لیے پیہم ہے نصرت غوثِ اعظم کی

سلاسل اولیا کے فیض یابِ شاہِ جیلاں ہیں
طریقت کے جہاں میں ہے حکومت غوثِ اعظم کی

جو آیا چور خدمت میں ، گیا قطبِ زماں ہو کر
بہت مشہور ہے یہ بھی کرامت غوث اعظم کی

حیاتِ نو عطا کی اپنے نانا جان ﷺ کے دیں کو
خصوصیت ہے "محیِ الدین" حضرت غوثِ اعظم کی

محبّ اللہ نوری کام آئے گی قیامت میں
محبت سرورِ عالم ﷺ کی ، نسبت غوثِ اعظم کی رضی اللہ عنہ

(صاحب زادہ) محمد محبّ اللہ نوری